نصرة میگزین

رمضان–شوال 1442ھ | مئی–جون 2021ء

شمارہ-60



رمضان فتوحات کیلئے جستجو کا مہینہ ہے

بدر کی فوج سے سبق

کیا حساب کتاب اور قمری کیلنڈر رویتِ ہلال کا متبادل ہے؟

مقبوضہ کشمیر سے ہونے والی غداری اور خطے میں ہندو ریاست کی بالادستی کے لیے راہ ہموار کرنے کی خطرناک سازش کو روکو

فہرست

کشمیر کیلئے بدر کے جذبے کو اجاگر کرنا

امریکہ نے 2001ء میں جس صلیبی جنگ کا آغاز کیا تھا، اس وقت سے لیکر آج تک مقبوضہ کشمیر پر پاکستان کے حکمرانوں کی پسپائی ایک تکلیف دہ حقیقت ہے۔ جنرل مشرف نے مقبوضہ کشمیر میں لڑنے والے مجاہدین گروہوں کی پکڑ دھکڑ کا آغاز کیا، جنرل کیانی نے بھی ایسا ہی کیا اور اسے ڈبل گیم کہا، جنرل راحیل نے بھی ایسا ہی کیا اور کہا کہ اندر کا دشمن باہر کے دشمن سے زیادہ خطرناک ہے۔ جنرل باجوہ بھی یہی کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ معاشی تحفظ علاقائی تنازعات سے مقدم ہے۔ گویا تمام مفروضوں اور جوازوں سے قطع نظر پالیسی مسلسل ایک ہی ہے۔

پاکستان کے تمام فوجی سربراہان نے مقبوضہ کشمیر پر پسپائی اختیار کیے رکھی جس کی وجہ تحفظ کے متعلق مغرب کے تصور کی اندھی تقلید ہے جو یہ کہتا ہے کہ ریاست کا تحفظ ریاست کی مستقل سرحدوں پر فوج کو باندھ دینے سے ہوتا ہے اور امن صرف طاقت کے توازن سے حاصل ہوتا ہے۔ مقبوضہ فلسطین بھی اسی طرح تکلیف میں مبتلا ہے جہاں عرب حکمران اس کے قابضوں سے تعلقات بنانے میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش میں ہیں۔

مقبوضہ کشمیر پر پاکستان کے حکمرانوں کی پسپائی اسلام کی افواج کے سب سے پہلے سپہ سالار، نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے حتمی مؤقف کے سراسر خلاف ہے۔ آپ ﷺ کی سب سے پہلی واضح فتح، جنگِ بدر جو رمضان کے مبارک مہینے میں 17 تاریخ کو 2 ہجری میں حاصل ہوئی، اس نے آج ہمارے لیے تحفظ اور امن کے معیار کو طے کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے تحفظ کو فوجی طاقت کے بل بوتے پر یقینی بنایا جب آپ ﷺ نے اس طاقت کو دعوت و جہاد کے ذریعے اس وقت کی موجود سرحدوں سے آگے بڑھایا۔ رسول اللہ ﷺ نے امن کو داخلی طور پر مسلمانوں اور غیر مسلم شہریوں پر اور بیرونی طور پر اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاستوں کے درمیان اسلامی قوانین کی بالادستی کے ذریعے یقینی بنایا۔ طاقت کے توازن کا کوئی تصور موجود نہ تھا، صرف ایک مستقل طور پر پھیلتا دار الاسلام تھا اور مستقل طور پر گھٹتا دار الکفر۔

صدیوں تک خلافت اپنی سرحدیں پھیلاتی رہی اور مختلف نسلوں پر مشتمل وہ علاقے کھولتی رہی جن میں بسنے والے آج امتِ محمد ﷺ کا حصہ ہیں۔ وہ علاقے جن پر کفر نے پیش رفت کر کے قبضہ کیا، انھیں کبھی بھی تحمل کی بنا پر

چھوڑ نہیں دیا گیا، انھیں بالآخر آزاد کروایا گیا، چاہے اس میں دہائیاں ہی کیوں نہ گزر گئیں ہوں۔ کفار کو مستقل پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر کے نئے علاقے اسلام کے لیے کھولے گئے یہاں تک کہ اسلام یورپ کے اندر تک پہنچ گیا۔

اسلامی تاریخ میں مسلمانوں نے بدر کے جذبے سے سرشار ہو کر بدستور اپنے سے بڑی اور زیادہ اسلحے سے لیس افواج کو شکست دی، تاریخ گواہ ہے کہ رمضان کا مقدس مہینہ مسلمانوں کیلئے فتح کی خوشخبریاں لے کر آتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا مسلمانوں نے دنیا کے سامنے ثابت کیا کہ فتح صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ ان مومنین کے لیے ہے جو شہادت سے اتنی شدت سے محبت رکھتے ہیں جتنی کفار دنیا کی زندگی سے بھی نہیں رکھتے۔

ایک ایسی ریاست کے بغیر جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ احکامات سے حکومت کرے، مسلمان ہمیشہ اپنے علاقوں سے دستبرداری ہی کا سامنا کرتے رہیں گے، چاہے وہ مقبوضہ کشمیر ہو یا فلسطین۔ جہاں تک نئے علاقے اسلام کیلئے کھولنے کا تعلق ہے تو اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے والی خلافت کے بغیر یہ ایک دیوانے کا خواب ہی لگے گا۔ اب یہ صرف ایک فرض ہی نہیں بلکہ وقت کی ضرورت بھی ہے کہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کو قائم کیا جائے۔ خلافت کے سائے کے بغیر 100 رمضان ہو چلے، لہٰذا اے مسلمانو! اسے قزم کرو۔ اے مسلمانو! اسے قائم کرو تاکہ ہماری افواج میں سے قابل اور خواہش مند اپنی شہادت یا فتح کی چاہت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نصرت کو حاصل کر سکیں۔ مسجد الاقصیٰ تمھیں پکار رہی ہے، سرینگر تمھیں پکار رہا ہے، اے مسلمانو! انہیں آزاد کرواؤ۔

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلاَّ مِنْ عِندِ اللَّهِ﴾

"نصرت تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے" (الانفال:10)

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(215)

جلیل قدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابوالرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ (البقرة : 215)

"لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لیے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہونا چاہیے۔ اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔" (البقرۃ:215)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس سورت (البقرہ) میں خیر کی بہت سی باتوں کو جمع کر کے نازل کیا ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا میں مؤمنین، کفار اور منافقین کا ذکر کیا ہے، پھر یہود اور ان کی اپنی کتابوں میں تحریف اور اپنے انبیاء کی مخالفت، بعض کا اپنے انبیاء کو قتل کرنا، باطل طریقے سے بحث مباحثہ کرنا اور رسول اللہ ﷺ اور اہلِ ایمان کے خلاف ان کی سازشوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر عقیدہ اور اس سے متعلقہ بعض چیزوں کا ذکر کیا تاکہ مؤمن کو ایمان کی پختگی حاصل ہو اور وہ کفر اور اہل کفر کی چالوں کو سمجھنے والا ہو۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کے بعد اسلامی عقیدے پر مبنی شرعی احکامات کی کچھ اقسام کا ذکر کیا۔ بیت اللہ شریف کا ذکر کیا، ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا اس کو تعمیر کرنا، پھر قبلہ کا اس کی طرف تبدیل کر دینا اور اسی کو مقامِ حج مقرر کرنے کا ذکر کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روزے اور جہاد کا ذکر کیا اور اسلام کی طرف دعوت دینے سے متعلق کئی شرعی احکامات کا ذکر کیا ہے۔ حق و باطل کے درمیان سخت کشمکش اور لوگوں کے اپنے رسولوں کے ساتھ اختلافات، مومن جن بھاری آزمائشوں کا سامنا کرتا ہے، اللہ کے راستے میں مشقتیں اٹھانے پر صبر کرنا اور بالآخر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے مدد و نصرت اور جلدی فتح یابی کی نوید، ان سب کا ذکر کیا ہے۔

ان سب کا اس لیے ذکر کیا تا کہ ایک مسلمان کا ایمان اور اس کے اعمال درست سمت میں ہوں، نیکیوں کا حکم دینے والا اور برائیوں سے روکنے والا ہو، اور کسی کی مخالفت سے اسے کوئی نقصان نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**لا تزال طائفة من امتی علی الحق ظاھرین لا یضرھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علیٰ ذالک)"میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر ہو کر غالب رہے گا، ان کے مخالف ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہ لوگ اسی حالت پر ہوں گے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے (یعنی قیامت واقع ہو جائے)"**، (بخاری: 2884، مسلم: 3544)

پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس سے پہلے اسلامی عقیدہ اور پھر چند شرعی احکامات کو بیان کیا، اسی تناظر میں اس آیت کریمہ میں یہ سوال و جواب اور اس کے بعد اس عظیم قرآنی سورت میں وارد چند دیگر شرعی احکامات کے بارے میں سوالات کا ذکر ہوا ہے۔

مثلاً ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: حضرت عمرو بن جموحؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مال خرچ کرنے کے بارے میں پوچھا، جبکہ وہ کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے اور ان کے پاس کافی مال تھا، اُنہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اپنا مال کیسے خرچ کریں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں مندرجہ ذیل باتیں بتائی گئیں:

1- آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوال خرچ کیے جانے والے مال کے بارے میں کیا گیا تھا، مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جواب میں وہ لوگ ذکر کیے ہیں جن پر مال خرچ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **(قُلْ مَا أَنفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ)"جو مال بھی خیر میں سے تم خرچ کرو"**۔ خیر یعنی حلال پاکیزہ مال میں سے، پھر بیان فرمایا کہ وہ کون لوگ ہیں جو زیادہ حقدار ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے، ان کا ذکر آیت کریمہ کے اس حصے میں کیا ہے **(فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ) "والدین، رشتہ دار، مساکین اور مسافروں کے لیے"**۔ اس آیت سے یہ دلیل معلوم ہوتی ہے کہ نفقہ (خرچ) کا اعتبار صرف اُس وقت ہو گا اور صرف اس وقت ہی قبول کیا جائے گا جب وہ درست جگہ کیا جائے یعنی مستحق لوگوں کو دیا جائے۔

2- یہ آیت نفلی صدقات کے بارے میں ہے، فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ کے بارے میں نہیں۔ اس کا قرینہ ہے **(قُلْ مَا أَنفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ)"جو مال بھی خیر میں سے تم خرچ کرو"**۔ یہ اس لیے کہ اللہ نے خرچ کرنے کو خرچ کرنے والے پر موقوف کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ (خیر میں سے ایسے اور ایسے خرچ کرو) اگر یہ فرماتے تو فرض ہونے کا احتمال اس میں ہو سکتا تھا، بلکہ یہاں **(مَا أَنفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلوَالِدَيْنِ)،"جو مال بھی خیر میں سے تم خرچ کرو، تو وہ والدین کیلئے ہے۔۔۔"**، کے الفاظ آئے ہیں یعنی اگر تم خرچ کرنا چاہو تو وہ خیر میں سے ہو اور وہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کو دیا جائے جن کا آیت میں ذکر ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ خرچ کرنا ان لوگوں پر موقوف ہے کہ جو خرچ کر رہے ہیں اور یہ خرچ صدقہ ہے جو اللہ کے قرب کا باعث ہے پس یہاں خرچ مندوب ہو گا۔

آیتِ کریمہ کے اختتام میں تاکیداً کہا گیا ہے کہ **(وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ)،"اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے"**، یہاں بھی لفظ (مَا) شرط کیلئے ہے، یعنی خرچ کرنا خرچ کرنے والے پر موقوف ہے، اس لیے زکوٰۃ والی آیت سے اس کے منسوخ ہونے کا قول اس پر وارد نہیں ہوتا، لہٰذا یہ صدقہ کے بارے میں ہے، جبکہ زکوٰۃ والی آیت فرض انفاق کے بارے میں ہے۔

3- یہ آیت کریمہ صدقے کی ترجیحات کا ذکر کرتی ہے۔ اول یہ ہے کہ اسے خرچ کرنے میں والدین کو مقدم کیا جائے، پھر خونی رشتہ داروں کو، اس کے بعد قریبی رشتہ داروں کو وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((ان الله يوصيكم بامهاتكم ثم يوصيكم بآبائكم ثم الاقرب فالاقرب))"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے پھر اپنے باپوں کے ساتھ پھر جو اِن کے بعد قریب ترین ہو، پھر ان کے بعد قریب ترین کے ساتھ"** (ابنِ ماجہ)۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! میں کس کے ساتھ بھلائی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **«أُمَّكَ وَأَبَاكَ وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ وَمَوْلَاكَ الَّذِي يَلِي ذَاكَ حَقٌّ وَاجِبٌ وَرَحِمٌ مَوْصُولَةٌ»، "اپنی والدہ، والد، بہن، بھائی اور وہ قریبی جو ان کے بعد ہو، یہ واجب حق ہے اور یہی صلہ رحمی ہے"** (ابوداؤد: 4474، ترمذی: 2532) یعنی خونی رشتے دار۔

ایک آدمی نے آپ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا: میرے پاس ایک دینار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: **«أَنْفِقْهُ عَلَى نَفْسِكَ»،** **"اس کو اپنے اوپر خرچ کرو"**، پھر اس نے عرض کیا: میرے پاس دو دینار ہیں، فرمایا: **«أَنْفِقْهُ عَلَى زَوْجَتِكَ»،** **"اپنی بیوی پر خرچ کرو"**، اس آدمی نے پھر عرض کیا: میرے پاس تین دینار ہیں، فرمایا: **«أَنْفِقْهُ عَلَى خَادِمِكَ»،** **"اپنے خادم پر خرچ کرو"**۔ اس نے پھر کہا: میرے پاس چار دینار ہیں، فرمایا: **« أنفقها على والديك»،** **"اپنے والدین پر خرچ کرو"**، اس نے پھر کہا: میرے پاس پانچ دینار ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: **«أنفقها على قرابتك»،** **"اپنے قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرو"**۔ اس نے کہا: میرے پاس چھ دینار ہیں، ارشاد فرمایا: **«أنفقها في سبيل الله تعالى»،** **"اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو"** (احمد 3/369، ابنِ حبان 828، البیہقی 7/466، 477)

اور جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے **((الصدقة على الفقير صدقة وهى على الرحم صلة و صدقة))** **"فقیر پر صدقہ کے طور پر خرچ کرنا (صرف) صدقہ ہے اور اپنے قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرنا صلہ رحمی بھی ہے اور صدقہ بھی"**۔ (النسائی 2535، ابنِ ماجہ 1834، احمد 4/17، 218)۔ والدین اور رشتہ داروں کے بعد صدقہ حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کو دیا جائے گا، ان میں بھی سب سے پہلے یتیم بچوں کا حق ہے ، یتیم وہ چھوٹا نابالغ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ مر گیا ہو، پھر مساکین اور فقیروں کو دیا جائے جو یتیموں کے علاوہ ہوں۔ ان کے بعد صدقہ اس کیلئے ہے جو اپنا ذریعۂ معاش کھو بیٹھا ہو۔ اس طرح خرچ میں ترجیحات کو دیکھا جائے گا، پہلے والے خرچ کرنے کے لیے بعد والوں سے زیادہ بہتر ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ذرہ برابر خیر و بھلائی ضائع نہیں ہوتی، پاکیزہ اور حلال مال میں سے اخلاص کے ساتھ ہر قسم کا خرچ جو مناسب جگہ میں کیا جائے یعنی مستحقین کو دیا جائے، چاہے کم ہی کیوں نہ ہو، ایسے صدقہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ عمدہ طور پر قبول کرتے ہیں اور وہ جانتا ہے کہ صدقہ کس طرح ادا کیا گیا، **(وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ)** **"اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔"**

فہرست

اے مسلم افواج! رمضان میں ہمارے دشمن کے خلاف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد و نصرت سے فتح حاصل کرو، جیسے بدر میں لڑنے والوں نے حاصل کی!

مصعب عمیر-پاکستان

اس وقت جب مسلم امت نشاۃ ثانیہ کے سفر کی طرف گامزن ہو چکی ہے، تو نشاۃ ثانیہ کے سفر میں ایک ایسی ریاست تک پہنچنے سے قبل، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے حکومت کرے، اس کی سوچ اپنے ان دشمنوں پر فتح حاصل کرنے پر مرکوز ہو گئی ہے جنھوں نے اسے ایک لمبے عرصے سے نقصان میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ یہ سوچ امت میں عمومی طور پر موجود ہے لیکن اس کی افواج میں موجود ان بہادر بیٹوں میں مضبوط ترین ہے جو بغیر کسی روک ٹوک کے دشمن کی پے درپے جارحیت پر غم وغصے کا شکار ہیں۔ اس سوچ کی بنیاد ہی یہ ہے کہ فتح وکامرانی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگرچہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ فتح صرف دعا کے نتیجے میں ملتی ہے، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فتح سے ان ہی کو نوازتے ہیں جو اس کیلئے دعا کرتے ہیں، اس کو حاصل کرنے کیلئے مہیا مادی وسائل سے تیاری کرتے ہیں اور اس کے راستے میں آنے والی مشکلات اور قربانیوں کا سامنا کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے قربت اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے قربت حاصل کرنے کے کئی مواقع کے ہوتے ہوئے، جیسے شیاطین کا جکڑے جانا، رمضان کا مہینہ وہ بہترین مہینہ ہے جس میں مسلم افواج کو میدانِ جنگ میں فتح وکامرانی حاصل کرنی چاہیے۔

فتوحات کسی قوم کی پہچان ہوتی ہیں اور امتِ محمدی کو بھی اس سے استثنا نہیں۔ یہ امت اپنی سب سے پہلی فتح، معرکہ بدر سے جانی جاتی ہے جو 17 رمضان 2 ہجری کو پیش آیا۔ یہ معرکہ آج ہر اس فوجی افسر کیلئے مشعلِ راہ ہے جو کشمیر کو آزاد کروانے یا مسجدِ اقصیٰ کو آزاد کروانے میں کامیابی کا یا پھر اس کوشش میں آنے والی بہترین موت یعنی شہادت کا خواہشمند ہے۔ آیئے ہم اس مدد، دعا، قربانی اور وسائل کی تیاری کا جائزہ لیتے ہیں جو بدر کیلئے کی گئی۔ بے شک یہ فیصلہ کن معرکہ بعد میں حاصل ہونے والی تمام کامیابیوں کا تاج تھا، چاہے رمضان میں ہوں یا کسی دوسرے مہینے میں

ہوں۔ یہ اس دورِ خلافت کیلئے ایک معیار تھا جس دور کا مشاہدہ آسمان کر چکا ہے اور یہ اس دورِ خلافت کیلئے بھی ایک معیار ہو گا جو نبوت کے نقشِ قدم پر واپس آئے گا۔

کسی بھی مسلم فوج کی دشمن پر کامیابی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اختیار میں ہے، چاہے وہ اس کیلئے فرشتے نازل کرے یا نہ کرے۔ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں غزوہ بدر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے فرشتوں کے نزول کے متعلق بیان کیا: قوله تعالى : وما جعله الله إلا بشرى [ولتطمئن به قلوبكم وما النصر إلا من عند الله] الآية ، أي : وما جعل الله بعث الملائكة وإعلامه إياكم بهم إلا بشرى ، (ولتطمئن به قلوبكم) ؛ وإلا فهو تعالى قادر على نصركم على أعدائكم بدون ذلك ، ولهذا قال : (وما النصر إلا من عند الله) ،"اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کا یہ فرمان کہ، ﴿**وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلاَّ بُشْرَى**﴾ "**اور یہ تو اللہ نے فقط خوشخبری دی تھی**" (الانفال:10)، سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے فرشتوں کا بھیجا جانا محض خوشخبری کے طور پر تھا تاکہ ﴿**وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ**﴾ "**اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں**" (الانفال:10)، بے شک اللہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ (اے مسلمانو) تمھیں فرشتوں کے بغیر ہی دشمنوں پر فتح یاب کر دے، اس لیے یہ فرمایا: ﴿**وَمَا النَّصْرُ إِلاَّ مِنْ عِندِ اللَّهِ**﴾ "**اور مدد (فتح) تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے**" (الانفال:10)"۔ اس آیت کے متعلق امام طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا، وما تنصرون على عدوكم، أيها المؤمنون، إلا أن ينصركم الله عليهم, لا بشدة بأسكم وقواكم, بل بنصر الله لكم, لأن ذلك بيده وإليه "اے مومنو! تم اپنے دشمنوں پر فتح حاصل نہیں کر سکتے جب تک اللہ ہی تمھیں تمھارے دشمنوں پر فتح عطا نہ کرے۔ تم اپنی طاقت اور ہیبت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے فتح عطا کرنے سے ہی کامیابی حاصل کرو گے، بے شک فتح و کامیابی صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے"۔

بے شک، فتح صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے، چاہے مجاہدین کتنے ہی قابل ہوں اور آسمان سے کتنے ہی فرشتے اتریں۔ بخاری نے ایک حدیث روایت کی ہے جو رفاح بن رافی الزراقی سے مروی ہے، جنھوں نے بدر میں بھی شرکت کی، کہ جبرائیل رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا، " جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بدر میں شرکت کی، ان کا (لوگوں میں) کیا مقام ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «**مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِينَ**» "**وہ بہترین**

مسلمانوں میں سے ہیں"۔ جبریل علیہ سلام نے کہا، "وہ فرشتے جنہوں نے بدر میں شرکت کی تھی ،فرشتوں کے درمیان ان کا بھی یہی مقام ہے"۔ جہاں تک ان انسانوں کی خوش قسمتی کی بات ہے جنھوں نے بدر میں شرکت کی، یعنی بدری مسلمان، تو دونوں صحیحین میں روایت ہے کہ جب عمرؓ نے مشورہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ حاطب بن ابی بلتعہ کو ان کے سنگین جرم کی وجہ سے قتل کر دیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے عمرؓ سے فرمایا، **«إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللَّهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ» "اِن (حاطب) نے بدر میں شرکت کی، اور تمھیں کیا پتا کہ شاید اللہ نے اہلِ بدر کو دیکھ کر کہا ہو: جو مرضی کرو کیونکہ میں نے تمھیں بخش دیا"**۔ اگرچہ معرکہ بدر میں شرکت کرنے والوں کا مقام ایک عظیم مقام ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کثیر تعداد والے دشمن پر فتح کی خوشخبری صرف انہی کیلیئے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کئی صدیوں پر محیط خلافت میں یہ سچ ثابت ہوتا رہا ہے اور آنے والے دور میں بھی یہ، اے مسلم افواج کے افسران !، آپ کے ہاتھوں اللہ کے اذن سے سچ ہو گا۔

بے شک فتح کے لیے جب سنجیدہ دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کا جواب دیتے ہیں۔ بدر کے فوجی کمانڈر کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے نہایت پُراثر اور پرزور دعا کی۔ بخاری نے ابنِ عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے دعا مانگتے ہوئے کہا، **«اللَّهُمَّ أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدِ» "اے اللہ ! میں تجھے پکارتا ہوں جو عہد آپ نے کیا تھا اور جو وعدہ آپ نے فرمایا تھا۔ اے اللہ ! اگر یہ تیرا فیصلہ ہے (کہ ہمیں شکست ہو) تو اس کے بعد دنیا پر تیری پرستش باقی نہیں رہے گی"**۔ یہ دعا اتنی پُر درد اور پرزور تھی کہ ابو بکرؓ نے نبی ﷺ کا ہاتھ تھاما اور کہا، **حَسْبُكَ** "یہ آپ ﷺ کیلیئے کافی ہے"۔ تو آج وہ کون سے فوجی کمانڈر ہیں جو ایسی ہی جاندار اور پرزور دعا کریں، اس وقت کہ جب وہ سرینگر اور الاقصیٰ کی آزادی کیلیئے افواج کو حرکت میں لائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے معرکہ بدر سے پچھلی پوری رات عبادت اور دعا میں گزار دی، تو آج وہ کون سے جرنیل ہیں جو مشرق و مغرب سے ہمارے دشمنوں کو بھگانے اور شکست سے دوچار کرنے کے لیے روانہ ہونے سے قبل یہی عمل سرانجام دیں گے ؟

بے شک اللہ سبحانہ وتعالی فتح انھیں ہی عطا کرتے ہیں جو اللہ کی راہ میں مشکلات اور امتحانوں میں کامیاب ہوتے ہیں، وہ پسینہ بہاتے ہیں، زخم برداشت کرتے ہیں، خون نچھاور کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں ان کی ہڈیاں ٹوٹتی ہیں، ہاتھ پاؤں کٹ جاتے ہیں اور ان میں سے کچھ میدانِ جنگ میں اپنی آخری سانسیں لیتے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود وہ دنیا میں بھی فتح حاصل کرتے ہیں اور آخرت میں جنت کو بھی اپنا مقدر بنالیتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالی فرماتے ہیں، ﴿وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ * سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ * وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ * يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ **"اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال برباد نہیں کرے گا۔ جلدی انہیں راہ دکھائے گا اور ان کا حال درست کردے گا۔ اور انہیں بہشت میں داخل کرے گا جس کی حقیقت انہیں بتادی ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے رکھے گا"** (محمد: 7-4)۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا، ﴿أَمۡ حَسِبۡتُمۡ أَن تَدۡخُلُواْ ٱلۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَأۡتِكُم مَّثَلُ ٱلَّذِينَ خَلَوۡاْ مِن قَبۡلِكُمۖ مَّسَّتۡهُمُ ٱلۡبَأۡسَآءُ وَٱلضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُواْ حَتَّىٰ يَقُولَ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مَعَهُۥ مَتَىٰ نَصۡرُ ٱللَّهِۗ أَلَآ إِنَّ نَصۡرَ ٱللَّهِ قَرِيبٞ﴾ **"کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ (حالات) پیش نہیں آئے جو ان لوگوں کو پیش آئے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب ہوگی سنو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے"** (البقرۃ: 214)۔ تو وہ کون سے افسران ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالی کی رضا کی خواہش کی بنیاد پر حملہ آور دشمن کے خلاف جنگ کے محاذ میں اپنے جوانوں کی قیادت کریں گے، بجائے یہ کہ وہ ان کو موت، تباہی، غربت اور بھوک کے خوف میں مبتلا کر کے پسپائی اور تحمل اختیار کرنے پر ابھاریں؟

بے شک فتح ان کا مقدر بنتی ہے جو اللہ سبحانہ وتعالی کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ اطاعت ان تمام مادی وسائل کو بروئے کار لانے تک محیط ہے جن کی تیاری کا اللہ سبحانہ وتعالی نے حکم دیا ہے۔ لہٰذا فوج اور حساس ادارے دونوں کے کمانڈر ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود فوجی ذمہ داریوں کو اعلیٰ ترین معیار کے مطابق ادا کیا۔

حساس ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے بدر کے مقام کے بالکل قریب رسول اللہ ﷺ اور ان کے غار کے ساتھی ابو بکرؓ نے ایک جاسوسی مشن سرانجام دیا، جس کے نتیجے میں وہ قریش کے ٹھکانے کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کا سامنا ایک بوڑھے بدو سے ہوا جس سے باتوں باتوں میں انھوں نے مشرکوں کی فوج کے ٹھکانے کی معلومات اگلوالیں۔ مزید جاسوسی کیلئے آپ ﷺ نے تین سرداروں کو روانہ کیا، علی بن ابی طالبؓ، زبیر بن عوامؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ، تاکہ وہ دشمن کے بارے میں معلومات اکٹھی کر سکیں۔ انھوں نے دو لڑکوں کو دیکھا جو مکہ کی فوج کیلئے پانی بھر کر لے جا رہے تھے۔ تفتیش کرنے پر ان لڑکوں نے اقرار کیا کہ وہ قریش کیلئے پانی بھرنے والے ہیں لیکن یہ جواب کچھ مسلمانوں کو نہ بھایا اور انھوں نے ان لڑکوں سے اصل معلومات اگلوانے کیلئے ان کی خوب دھلائی کی، جس کے نتیجے میں انھوں نے مال و دولت سے لدے کاروان کی طرف اشارہ دیا، چاہے وہ درست نہ بھی ہو۔ گویا ان دونوں لڑکوں نے جھوٹ بولا اور انھیں چھوڑ دیا گیا۔ جاسوسی کے ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ ان لوگوں پر غصے ہوئے اور ان کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا، "سچ بولنے پر تم نے انھیں مارا اور جھوٹ بولنے پر تم نے انھیں چھوڑ دیا!"۔ پھر آپ ﷺ ان دونوں لڑکوں سے مخاطب ہوئے اور ان سے کچھ ہی گفتگو کے بعد انھیں دشمن کے بارے میں کثیر معلومات مل گئیں: سپاہیوں کی تعداد، ان کی عین مطابق جگہ اور ان کے کچھ بڑوں کے نام۔ تو پھر ہمارے جاسوس افسران میں سے کون ہیں جو فیصلہ کن جنگ سے قبل ہندو ریاست اور یہودی وجود کی افواج کی صلاحیتوں اور کمزوریوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کریں گے؟

فوجی کاروائیوں کے سربراہ کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ سمجھدار شوریٰ سے مشورہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بدر کے قریب ترین چشمے پر رکے تو حباب بن منذرؓ نے پوچھا، أرايت هذا الموقع، أهو وحيٌ من الله فلا نقدم فيه شيئاً، أم هو مُجرّد رأيٍ "کیا یہ اللہ کی طرف سے وحی ہے یا یہ آپ ﷺ کی

اپنی رائے (یعنی جنگی حکمت عملی) کا معاملہ ہے؟"۔رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا، **بل هو مُجرّد رأي "یہ صرف رائے (جنگی حکمت عملی) کا معاملہ ہے"**۔ حباب نے کہا، إِنّ هذا ليس بمنزلٍ، فانهض بالناس حتى نأتي أدنى ماءٍ من القوم، فننزله، ثمّ ندفن جميع الآبار، ونبقي واحداً؛ لنشرب منه ولا يشرب منه المشركون "یہ جگہ مناسب نہیں، ہمیں چلنا چاہیے اور پانی کے نزدیک ترین کنوئیں پر پڑاؤ کرنا چاہیے، ہم وہاں پانی کا ایک ذخیرہ بنالیں گے اور باقی تمام کنوئیں تباہ کردیں گے تاکہ مشرکین پانی سے محروم ہو جائیں"۔رسول اللہ ﷺ نے اس منصوبے کی منظوری دی اور اسے نافذ کیا۔پھر سعد بن معاذؓ نے مشورہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کیلئے ایک خیمہ تیار ہونا چاہیے جو مسلم فوج کیلئے ہیڈ کوارٹر کا کام کرے اور فوج کے لیڈر کو ضروری حفاظت بھی مہیا کرے۔سعدؓ نے اپنی تجویز کے جواز میں کہا کہ اگر وہ فتح یاب ہو گئے تو سب کی تسلی ہو گی لیکن اگر شکست ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور وہ واپس مدینہ جا سکیں گے جہاں بہت سے لوگ ہیں جو آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں، اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ اس مشکل حالت میں ہیں تو وہ یہاں آ پہنچتے، تاکہ آپ ﷺ اپنا کام جاری رکھ سکیں، ان سے مشورہ کر سکیں اور وہ اللہ کی راہ میں آپ ﷺ کے ساتھ بار بار کوشش کرتے رہیں۔رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے اسے نافذ کیا اور سعد بن معاذؓ ہی کی قیادت میں حفاظتی سپاہیوں کے ایک دستے کو تعینات کیا گیا تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ہیڈ کوارٹر میں ان کی حفاظت کی جا سکے۔تو اے فوج کے سربراہان! آپ میں سے کون ہے جو فوجی حکمتِ عملی میں موجود سمجھداروں کا مشورہ لے کر دشمن کو زیر کرنے کیلئے اس پر طاقتور حملہ کرے؟

بے شک فتح کا حصول اللہ سبحانہ وتعالی کی رضا کی خاطر جان کی قربانیاں دینے سے ہی ممکن ہے۔جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے فوجی افسران کو حالات کی سنجیدگی سے آگاہ کیا تو ابو بکرؓ سب سے پہلے بولنے والوں میں سے تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی کمانڈ کی غیر متزلزل اطاعت کا یقین دلایا۔ان کے بعد عمرؓ اٹھے اور ابو بکرؓ کی تائید کی۔اس کے بعد جو ہوا، اس کے بارے میں ابن مسعودؓ نے کہا، "میں نے اس بات کا مشاہدہ کیا جو مقداد بن اسود نے کہا تھا، اور مجھے یہ ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہے کہ یہ کہنے والا میں ہوتا۔مقداد نبی ﷺ کے پاس آئے جب آپ ﷺ مشرکوں کے خلاف اللہ سے دعا کر رہے تھے، اور کہا، لا نقول كما قال قوم موسى لموسى : (**اذهب**

أنت وربك فقاتلا) [المائدة : 24] ولكن نقاتل عن يمينك وعن شمالك ، وبين يديك وخلفك 'ہم ویسے نہیں کہیں گے جیسے موسیٰ کے لوگوں نے کہا: تم اور تمھارا رب دونوں جاؤاور لڑو۔ بلکہ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے، آپ کے بائیں بھی لڑیں گے، آپ کے آگے اور پیچھے بھی لڑیں گے'۔ میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ کا چہرہ مقداد کی بات سن کر خوشی سے تمتمارہاتھا"۔ لہٰذا وہ کون سے افسران ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں، ہمارے دشمنوں کے خلاف اپنی افواج کی میدانِ جنگ میں قیادت کرنے کیلئے تیار ہیں، بجائے یہ کہ موجودہ حکمرانوں کو اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ اس دشمن کے ڈر کے ذریعے ان افواج کے عزم کو کمزور کردیں؟

یہ تو بدر میں مہاجرین کی خواہش تھی، جہاں تک انصار کا تعلق ہے تو عقبہ کی دوسری بیعت جہاں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے نصرت حاصل کی گئی، وہ ان کو ان کے علاقوں سے باہر جنگ پر پابند نہیں کرتی تھی۔ انصار کی رائے سننے کے خواہشمند رسول اللہ ﷺ نے کہا، **أشيروا عليّ أيها الناس "میرے لوگو! مجھے مشورہ دو"**۔ اس پر سعد بن معاذؓ جو انصار کے کمانڈر تھے، وہ اٹھے اور کہا، والله لكأنّك تريدنا يا رسول الله "اللہ کی قسم، مجھے لگتا ہے کہ آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم (انصار) بولیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً کہا، **أجل، "بالکل"**۔ سعدؓ نے کہا، "اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے کی تصدیق کی اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو آپ ﷺ لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم اس پر آپ ﷺ سے عہد کرتے ہیں کہ ہم آپ کو سنیں گے اور اطاعت کریں گے جو بھی آپ ﷺ حکم دیں گے۔ اس اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا کہ اگر آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا بھی کہیں گے تو ہم وہ بھی کریں گے اور کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم دشمن کا سامنا کرنے سے نہیں ڈرتے۔ ہم جنگ میں تجربہ کار ہیں اور لڑائی میں قابل بھروسہ ہیں۔ شاید اللہ آپ ﷺ کو ہمارے ہاتھوں بہادری کے وہ اعمال دکھادے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اللہ کا نام لیکر میدانِ جنگ میں ہماری قیادت کریں"۔

تو اے مردانِ نصرۃ! آپ میں سے کون ہے جو سعد بن معاذؓ کے عظیم راستے پر چلے گا؟ آپ میں سے کون ہے جو اسلام کو ریاست کے طور پر قائم کر کے اِن غداروں اور بے شرم بزدلوں کی حکومتوں کو ختم کرے گا؟ آپ میں سے

کون ہے جو دشمن کے ساتھ دور دراز کے علاقوں میں سخت ترین جنگ میں کودے گا، چاہے وہ دشمن تعداد اور تیاری میں برتر ہی کیوں نہ ہو؟ یہ آپ میں سے وہی ہو گا جو سعد بن معاذؓ جیسا جنازہ چاہتا ہے جس کیلئے اللہ سبحانہ وتعالی نے آسمان سے فرشتے نازل کیے، یہ آپ میں سے وہی ہو گا جو چاہے گا کہ اس کی روح پہنچنے کی خوشی سے اللہ سبحانہ وتعالی کا عرش ہل جائے جیسے وہ عرش سعد بن معاذؓ کے لیے ہل گیا۔ یہ آپ میں سے وہی ہو گا، اور کوئی نہیں!

بے شک فتح اللہ سبحانہ وتعالی ہی کے ہاتھ میں ہے اور جو اس کی خواہش رکھتے ہیں وہ دعا کرتے ہیں، اس کی بھرپور تیاری کرتے ہیں اور اس کو حاصل کرنے کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ یہی بدر سے حاصل ہونے والا سبق ہے اور یہ وہ جذبہ ہے جس نے ان تمام فتوحات کو جان بخشی جو نبوت کے بہترین دور اور بعد میں آنے والے ادوار میں بھی، رمضان اور رمضان کے علاوہ حاصل ہوئیں۔

یہی وہ جذبہ تھا جو صلاح الدین میں رچا بسا تھا، وہ اس معرکہ حطین کا جرنیل تھا جو رمضان ہی کے مہینے میں 584 ہجری (1187ء) میں ہوا۔ اس نے بذاتِ خود کرک کے عیسائی بادشاہ، ارناتھ کو قتل کیا جس نے حج پر جانے والے بے قصور مسافروں کے گروہ پر حملہ کیا تھا۔ حملہ آوروں نے بے رحمی سے لوٹ مار کی، مردوں پر تشدد کیا اور عورتوں کی عزتیں پامال کیں۔ یہ ارناتھ ہی تھا جس نے غرور میں آکر کہا، "جاؤ محمد کو بتاؤ اور اس سے کہو آکر تمھیں بچا لے"۔ اسے جہنم واصل کرنے سے پہلے صلاح الدین نے ارناتھ کو بتایا کہ وہ اسے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے اور بے قصور مسلمانوں کو قتل کرنے کے جرم میں قتل کر رہا ہے۔ تو اے جرنیلو! آپ میں سے کون ہے جو آج خود آگے بڑھ کر دشمن کے ان کمانڈروں کا قلع قمع کرے گا جو دنیا کے ہر کونے میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، ہمارے بچوں کو قتل کرتے ہیں اور ہماری عورتوں کے ساتھ زیادتیاں کرتے ہیں؟

تاتاریوں کے خلاف رمضان 658 ہجری (1260ء) میں ہونے والا عین جالوت کا معرکہ مسلمانوں کی ایک اور بڑی کامیابی تھی۔ تاتاریوں نے مصر کے امیر، محمود سیف الدین قطز کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا جس میں یہ درج تھا، "ہم نے علاقے تباہ کر دیے، بچے یتیم کر دیے، لوگوں کو تشدد کر کے ذبح کر دیا، ان کے عزت داروں کو ذلیل کیا اور بڑوں کو قیدی بنا لیا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم سے بھاگ جاؤ گے؟ کچھ ہی عرصے میں تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ تمھاری

طرف کیا آرہا ہے۔۔۔"۔ لیکن جو قطز کی طرف آیا قطز نے اس کو الٹ کر رکھ دیا۔ قطز مسلمانوں کی قیادت کرتے ہوئے جنگ میں پہنچا جو شروع میں تاتاریوں کے حق میں تھی۔ یہ دیکھ کر قطز ایک چٹان پر چڑھا، اپنا خود (لوہے کی ٹوپی) اتار پھینکا اور چیخ کر بولا، "وا اسلاما ہ، واسلاماہ" تاکہ فوج اللہ سبحانہ وتعالی کے دشمنوں سے لڑنے میں ڈٹی رہے۔ قطز کے چہرے پر اسلام کے جذبات نے اور دشمن پر اپنی تلوار سے زوردار حملہ کرنے سے متاثر ہو کر مسلم فوج نے جنگ کا پانسہ اپنے حق میں پلٹ دیا، یہاں تک کہ تاتاری فوج بکھر گئی اور میدان سے فرار ہو گئی۔ تو اے جرنیلو! آپ میں سے کون ہے جو آج اپنا خود پھینک کر دشمن کی صفوں میں کود پڑے گا تاکہ خلافت کے قیام کے بعد آنے والی جنگوں کا پانسہ پلٹ دے؟

لہٰذا، اے مسلم افواج کے افسران! اس رمضان کا استقبال ایسے کرو جو اللہ سبحانہ وتعالی کے سامنے آپ کی عظیم ذمہ داری کے شایانِ شان ہے، اللہ سبحانہ وتعالی کی راہ میں لڑتے ہوئے، تاکہ آپ فتح حاصل کریں، دشمن کو قتل کریں اور جامِ شہادت نوش کریں۔ یہ جان لیں کہ ہماری فتح کا واحد ذریعہ اللہ سبحانہ وتعالی کی اطاعت میں ہے۔ یہ خلافت ہی ہو گی جو اللہ سبحانہ وتعالی کے تمام احکامات کو نافذ کرے گی تاکہ ان دشمنوں کے خلاف فتح حاصل کر سکے جو تمام حدیں پار کر چکے ہیں۔ آپ تاریخ کی سب سے بھرپور فوجی میراث کے وارثین ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی بشارتوں کے مطابق آپ کے سامنے الاقصیٰ کی فتح ہے، برِصغیر ہند اور پھر یورپ کا دل جولیس سیزر کا شہر یعنی روم کی فتح، جبکہ پچھلے دور کے مسلمان ہرکولیس کے شہر قسطنطنیہ کو فتح کر چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللَّهِ هَذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ . إِلاَّ الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مسلمان یہودیوں سے نہ لڑلیں، اور مسلمان انھیں قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی اپنے آپ کو کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپائے گا تو وہ پتھر یا درخت بولے گا: اے مسلمان، اے اللہ کے بندے، میرے پیچھے ایک یہودی ہے، آؤ اور اسے قتل کرو؛ سوائے غرقد کے درخت کے کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے" (مسلم)۔**

ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے، **وَعَدَنا رسولُ اللّهِ (ص) غزوةَ الهند، فإنْ أدركتُها أُنْفِقْ نفسي ومالي، وإنْ قُتِلْتُ كنتُ أفضلَ الشهداء، وإنْ رجعتُ فأنا أبو هريرة المُحَرَّرُ**

"رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ہند کی فتح کا وعدہ کیا۔ اگر میں نے اسے پایا تو میں اپنا جان ومال اس میں خرچ کردوں گا۔ اگر مارا گیا تو بہترین شہید ہوں گا اور اگر زندہ واپس آیا تو (گناہوں سے) آزاد ابو ہریرۃ ہوں گا" (احمد، نسائی، حاکم)

امام احمد نے اپنی مسند میں عبد اللہ بن عمر بن العاصؓ سے روایت کیا، **بَيْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكْتُبُ ، إِذْ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيُّ الْمَدِينَتَيْنِ تُفْتَحُ أَوَّلًا : قُسْطَنْطِينِيَّةُ أَوْ رُومِيَّةُ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : (مَدِينَةُ هِرَقْلَ تُفْتَحُ أَوَّلًا) ، يَعْنِي : قُسْطَنْطِينِيَّةَ "جب ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد موجود لکھ رہے تھے تو پوچھا گیا: دو شہروں میں سے کون سا پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا روم؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ہرکولیس کا شہر پہلے فتح ہوگا!"۔**

یہ تمام بشارتیں آپ کا انتظار کر رہی ہیں، آگے بڑھیں اور خلافت کے دوبارہ قیام کیلئے نصرت فراہم کریں تاکہ پوری دنیا تک اسلام کے پیغام کا سلسلہ دوبارہ جاری ہو سکے۔

فہرست

اُس لشکر کی صفات کہ اللہ کی طرف سے جس کی مدد کی گئی-غزوۂبدر کی روشنی میں

(الواعی میگزین شمارہ 401-400 سے ترجمہ)

حضرت معاذ بن رفاعہ بن رافع الزرقی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جو اصحابِ بدر میں سے تھے:

«جاء جبرئیل الی النبی فقال: معا تعدون اهل بدر فیکم؟ قال: من افضل المسلمین او کلمة نحوها۔ قال: وکذلک من شهد بدرا من الملائکة» " حضرت **جبرائیلؑ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اہلِ بدر کو آپ اپنے یہاں کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، "وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں"**۔ یا آپ ﷺ نے اس طرح کے کوئی اور الفاظ ارشاد فرمائے۔ جبرائیلؑ نے عرض کی: اسی طرح کا مقام ہے فرشتوں میں ان فرشتوں کا جنہوں نے جنگِ بدر میں شرکت کی۔ (صحیح بخاری)

غزوۂبدر 17 رمضان 2 ہجری میں واقعہ ہوا، اس کے نتائج کفار پر بجلی بن کر نازل ہوئے اور زلزلے کی طرح برپا ہوئے، جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان فکری اور مادی جدوجہد کے رخ پر سب سے بڑا اثر پڑا۔ اسلام کے آغاز کے 15 سالوں بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی طاقت بڑھ گئی اور اسلام کی آواز بلند ہو گئی اور ان کے دین کے باعث اور ان کی جانوں کی قربانی کی بدولت ان کے وزن اور رعب و دبدبے میں اضافہ ہو گیا۔ اس سے پہلے کفار نے مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو دبا رکھا تھا۔ لیکن اب قریش کا دبدبہ ٹوٹ گیا، قریش اور اس کے اتحادی مسلمانوں کے لشکر کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو گئے۔ یہ لشکر ابوسفیان کے قافلے کو روکنے کے لیے نکلا تھا جو شام سے آرہا تھا، نہ کہ کسی باقاعدہ حربی سے جنگ کیلئے۔ مگر اللہ کا ارادہ ظاہر ہوا جو چاہتا تھا کہ قریش کے ظلم و فساد کو روکے، اور مسلمانوں اور قریش کے درمیان ایک حقیقی معرکہ اور باقاعدہ فوجی تصادم وقوع پذیر ہو، باوجود اس کے کہ دونوں فریقوں میں تعداد کے اعتبار سے بہت فرق تھا۔ ہم اس لشکر کی صفات پر روشنی ڈالیں گے جس کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور یہاں ان اسباب کا بھی ذکر کریں گے جس کی وجہ سے مسلمان غزوۂبدر میں مدد کے مستحق ہوئے۔ ان میں سے دو حقائق کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اوّل: بیشک مدد اللہ کا احسان ہے اور وہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں پر اپنی مدد کے ذریعے کہ جو اس کے مستحق ہوتے ہیں۔اور مدد صرف اللہ ہی طرف سے ہو سکتی ہے، مسلمانوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو، اگر اللہ کی مدد ساتھ نہ ہو تو یہ تعداد ان کے کام نہیں آسکتی۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلاَّ بُشْرَى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلاَّ مِنْ عِندِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ "ہم نے اسے نہیں بنایا مگر ایک خوشخبری تاکہ تمھارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے"(سورۃ الانفال-10)

لہذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس حقیقت پر ایمان لے کر آئیں کہ حقیقی مدد صرف اور صرف اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اور یہ حقیقت ان عقائد میں سے ہے جن پر ایمان لانا فرض ہے اور مسلمان جو تیاری کرتے ہیں اور منصوبہ بندی کرتے تو وہ لازمی امر ہے مگر یہ ایک مختلف تشریعی معاملہ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ وہ انسان ہونے کے ناطے اپنی استطاعت کے مطابق مدد کے اسباب کو اختیار کریں۔

مگر فتح کیلئے اسباب پر اعتماد اور انحصار کرنا درست نہیں، اللہ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ "اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کی مدد کرو، وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا"(سورۃ محمد-7)

تو مدد صرف اور صرف اللہ ہی کی ہے اور یہ حقائق میں سے ہے، اور مسلمانوں کا نصر (مدد) کے اسباب کو اختیار کرنا حقیقت میں اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور ان اسباب کو اختیار کرنا شرط ہے کہ اس کے بغیر نصر حاصل نہیں ہو سکتی، البتہ اسباب کے ہونے سے فتح کا ہونا لازم نہیں ہے۔

دوم: وہ مدد جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں نازل کی وہ صرف اہلِ بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو سنت ہے، ایسی سنت جو نہ تبدیل ہوتی ہے اور نہ متغیر ہوتی ہے۔ تو ہر اسلامی لشکر جس میں بدر کے لشکر کی صفات پائی جائیں گی، اللہ پر حق ہے کہ ہر زمان و مکان میں اس کی مدد کرے جیسا کہ اللہ نے اہلِ بدر پر اپنی مدد نازل کی۔ بلاشبہ

اللہ نے ماضی میں کئی جگہوں پر مسلمانوں کی مدد کی، بدر میں بھی اور بدر کے علاوہ بھی، اور ایسے معرکوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان صفات پر غور کریں کہ جن کی وجہ سے وہ لوگ مدد کے مستحق ٹھہرے۔

بدر کا لشکر اور اسلامی ریاست:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کو قائم کیا اور مکہ سے آپ ﷺ اور مسلمانوں کا ہجرت کرنا ایک نئے دور کا آغاز تھا، جس میں اسلام اور کفر کے مابین تصادم کی نوعیت کا تعین ہوا۔ مدینہ ہجرت کے بعد یہ جدوجہد سیاسی اور فکری دائرے سے عسکری جدوجہد کی طرف منتقل ہو گئی، جس کا مقصد تمام کفر کو اسلام کے تابع لانا تھا، رضاکارانہ طور پر یا بزور شمشیر لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کیلئے اور باقی ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کے لیے۔ پس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھنے کے فوراً بعد اس کی ابتداء ہو گئی۔ اسلامی ریاست مسلمانوں کا وہ سیاسی ڈھانچہ ہے جس کے ذریعے داخلی طور پر اسلام کے احکامات کے مطابق معاملات کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور خارجی طور پر جہاد کے ذریعے اسلامی دعوت کو تمام عالم تک پہنچایا جاتا ہے۔ اسلامی دعوت کو تمام عالم تک لے جانے کا شرعی طریقہ جہاد ہے اور یہ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا حصہ ہے اور جہاد فوجی طاقت، فوج اور اس ریاست کے بغیر کامل طور پر نہیں ہو سکتا، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے لشکروں اور فوجیوں کو بھیجتی ہے، اس لیے کسی بھی گروہ کو فوج نہیں کہا جا سکتا اور اس میں لڑائی کے لیے درکار عسکری صفات نہیں پائی جاتیں جب تک یہ فوج کسی سیاسی فیصلے، ریاست اور خلیفہ کے فیصلے کے ذریعے قائم نہ ہو اور یہ فوج جنگ اور امن کے فیصلے کیلئے اس شخص کی پابند ہوتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہوتا ہے، یعنی مسلمانوں کا خلیفہ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **«امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله»** (صحیح بخاری) **"مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں"**۔ پس رسول اللہ ﷺ نے حاکم ہونے کے ناطے اور ریاست کے سربراہ ہونے کے ناطے ابو سفیان کے قافلے کو روکنے کا فیصلہ کیا اور قافلے کے تعاقب کو لڑائی میں تبدیل کرنے اور قریش کے ساتھ فوجی محاذ آرائی کے بعد جنگ میں

جانے کا فیصلہ بھی ریاست ہی نے کیا۔ ریاست ہی ہے جو فوجوں کو لڑائی کیلئے نکالتی ہے تا کہ وہ اپنا مشن سر انجام دیں ان اصولوں کے مطابق جو انہیں بتائے گئے ہوتے ہیں۔ ابنِ عمر سے روایت ہے کہ **«بَعَثَنا رَسولُ اللّهِ ﷺ في سَرِيَّةٍ، فَحاصَ النَّاسُ حيصَةً، فَقَدِمنا المدِينَةَ فَاختَبَأْنا بِها، وقُلنا: هَلَكنا، ثُمَّ أَتَينا رَسولَ اللّهِ ﷺ فَقُلنا: يا رَسولَ اللّه، نَحنُ الفَرَّارونَ، قال:» بَل أَنتُمُ العَكَّارونَ، وَأَنا فِئَتُكُم»** (سنن ترمذی، حدیث حسن) **"اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سریہ میں بھیجا، تو لوگ وہاں سے فرار ہوئے اور مدینہ میں آچھپے اور ہم نے کہا کہ ہم تو (اس گناہ کی وجہ سے) ہلاک ہو گئے۔ تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم تو فرار ہونے والوں میں سے ہو گئے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا تم تو عکارون ہو اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں"**۔ عکار اس کو کہتے ہیں جو اپنے امام سے مدد کیلئے آئے نہ کہ اس کا ارادہ جنگ سے فرار ہونے کا ہو۔ آج مسلمانوں میں ایسے لشکر نہیں جیسا کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کا لشکر تھا باوجود یہ کہ آج ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، مسلمانوں کے لشکر تو لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں لیکن وہ امام جو کہ ڈھال ہوتا ہے یعنی مسلمانوں کا خلیفہ وہ کہاں ہے؟ وہ جو مسلمانوں کے شہروں پر قبضہ کرنے والے کافروں سے لڑنے کیلئے ان لشکروں کو حرکت میں لائے!۔ اسلامی خلافت کی عدم موجودگی میں مسلم لشکروں کو بیرکوں میں روکا گیا ہے، اس کے سپاہی اور افسر بس مہینے کے آخر میں اپنی تنخواہیں وصول کرتے ہیں، بجائے یہ کہ ان کے پاؤں فلسطین، شام اور روہنگیا کے مسلمانوں کی مدد کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں گردآلود ہوں۔ بلکہ استعماری کافروں نے اپنے کٹ پتلی حکمرانوں کے ذریعے ان لشکروں کو فتنے میں ڈال رکھا ہے، یہ افواج ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہیں اور کئی مرتبہ مسلمانوں کے بیٹوں کو قتل کرتی ہیں، جیسا کہ مصر میں التحریر چوک Tahrir Square اور رابعہ العدویہ چوک میں ہوا اور شام میں کہ جہاں بشار کی بعث پارٹی کے کرائے کے قاتلوں اور ایرانی ملیشیا نے شام کے مسلمانوں پر ظلم ڈھائے، وہ مسلمان کہ جو مجرم بعث حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔۔۔ ان غدار حکمرانوں نے مسلم افواج کو دہائیوں سے بیرکوں میں بند کر رکھا ہے جبکہ وہ ان افواج کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنی بندوقوں کا رخ یہودیوں کی طرف کریں، وہ یہودی جو ہماری ارضِ مقدس فلسطین پر قابض ہے۔

فیصلہ کن قیادت اور محتاط منصوبہ بندی:

ابو سفیان کے ایک قافلے کے زندہ بچ جانے کے بعد اور قریش کے ابو سفیان کے قافلے کی مدد کے لیے نکلنے کے بعد یہ بات حضور اکرم ﷺ کے لیے لازمی ہوگئی کہ وہ کفار کا سامنا کریں، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقاعدہ جنگ کیلئے نہیں نکلے تھے اور نہ ہی اپنے ساتھ زیادہ مجاہدین لے کر آئے تھے اور ریاست کے صدر مقام مدینہ منورہ سے دوری کی وجہ سے مزید تعداد طلب کرنے کا امکان مشکل ہو تھا۔ صورت حال نازک تھی، اگر مسلمان قریش کے سامنے سے پلٹ جاتے تو قریش کہتے محمد اور اس کے ساتھی قریش کا سامنا کرنے سے فرار ہو گئے ہیں اور اس میں مسلمانوں کے وقار اور ان کی ابھرتی ہوئی ریاست کی بے عزتی تھی بلکہ اس میں خود مسلمانوں کے دلوں میں بھی مسلمانوں کے نظریے کی طاقت پر سوال اٹھتے اور دوسری طرف قریش خوش ہو جاتے اور پھول کر اپنے لوگوں میں واپس لوٹتے اور اپنی تلواروں سے اپنے بتوں کے سامنے کھیل تماشے کرتے اور ان کے شاعر مسلمانوں کے خلاف اپنے اشعار اور فتح کے گیت گاتے۔ تمام عرب، یہود اور منافقین نے کہنا تھا کہ محمد ﷺ قریش کا سامنا کرنے سے ڈر کر اپنے صحابہ کے ہمراہ پلٹ گئے جہاں سے وہ آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے "لوگو! میری طرف توجہ دو"، تو ابو بکر صدیقؓ اور مقداد بن اسودؓ نے جواب دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ فرمایا، "لوگو! میری طرف توجہ دو"۔ گویا کہ حضور ﷺ کی اس بات سے انصار مراد تھے، وہ انصار جنہوں نے عقبہ کے دن اس بات پر بیعت کی تھی کہ آپ ﷺ کی ان چیزوں کے ذریعے حفاظت کریں گے جن سے وہ اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب انصار نے محسوس کیا کہ ان کی رائے معلوم کرنی ہے تو سعد بن معاذؓ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ ہماری رائے جاننا چاہ رہے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ہاں" تو حضرت سعد نے فرمایا، بلاشبہ ہم آپ پر ایمان لے کر آئے اور عہد کیا کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے تو بتائیں کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ کا کیا ارادہ ہے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اگر آپ ہمیں سمندر میں جانے کا حکم دیں گے تو ہم آپ کے ساتھ اس میں بھی اتر جائیں گے اور ہمارا کوئی بھی آدمی پیچھے نہ رہے گا اور ہم ناپسند نہیں کرتے کہ کل اپنے دشمن سے ملیں۔ حضرت سعدؓ نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی کہ آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے روشن ہو گیا اور فرمایا "چلو اور خوشخبری سنو کہ اللہ نے مجھے دو گروہ میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا ہے"۔ اس انداز سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے مسلمانوں کی ہمت کو بلند کر دیا۔ رسول اللہ نے بطورِ قائد ابو بکرؓ، مقدادؓ

اور سعد بن معاذؓ کے ذریعے انصار اور مہاجرین کی رضامندی اور خوشی سے لڑنے کا فیصلہ حاصل کیا۔ اب اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ضروری نکات پر توجہ مرکوز کی، دشمن کے مقام، تعداد اور فوج کے پڑاؤ اور معرکہ کی جگہ کا تعین اور انٹیلی جنس معلومات کے ذریعے جنگی منصوبہ تیار کیا۔

ابنِ اسحاق روایت کرتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ ابن حبان نے ہم سے روایت کیا: رسول اللہ ﷺ ایک بوڑھے عرب کے پاس پہنچے اور ان سے قریش کے متعلق دریافت کیا، اور یہ کہ محمد اور اس کے ساتھی اس وقت کہاں ہیں اور ان کے متعلق کیا خبر ہے۔ اس بوڑھے شخص نے جواب دیا: میں اس وقت تک تمہیں مطلع نہیں کروں گا جب تک تم دونوں مجھے اپنے متعلق مطلع نہیں کروگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیں خبر دو ہم تمہیں اپنی خبر دیں گے۔ اس نے کہا: کیا یہ اس کے بدلے میں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس بوڑھے شخص نے کہا: میں نے سنا ہے کہ محمد اور اس کے ساتھی فلاں اور فلاں دن کو روانہ ہوئے۔ اگر یہ بات درست ہے تو انہیں آج فلاں اور فلاں مقام پر ہونا چاہئے (اور اس نے اس مقام کی طرف اشارہ کیا جہاں رسول اللہ ﷺ موجود تھے)۔ اور میں نے سنا ہے قریش فلاں اور فلاں دن کو روانہ ہوئے۔ اگر یہ درست ہے تو آج نہیں اِس اور اِس مقام پر ہونا چاہئے (اور اس کی مراد وہ جگہ تھی جہاں وہ واقعتاً موجود تھے)۔ جب اس نے اپنی بات مکمل کر لی تو اس نے کہا: اب تم مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ہم پانی سے ہیں۔ اور یہ کہہ کر روانہ ہوگئے۔۔۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: میں بنو سلمہ کے ایک آدمی سے روایت کرتا ہوں کہ خباب بن منذر الجموح نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: کیا اس جگہ کے متعلق اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ (لڑائی کے لیے لشکر کا) پڑاؤ یہاں ڈالیں، اس طرح کہ آپ نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں، یا پھر یہ رائے اور جنگی حکمتِ عملی کی بنا پر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ رائے اور جنگی حکمت عملی کی بنا پر ہے۔ خباب بن منذر نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ رکنے کی جگہ نہیں۔ اپنے لوگوں کے ساتھ آگے بڑھیں یہاں تک کہ ہم دشمن کے نزدیک ترین پانی کے پاس پہنچ جائیں اور وہاں پڑاؤ ڈالیں اور پھر ہم اس سے پرے کنوؤں کو ناکارہ کر دیں اور ایک حوض بنالیں کہ جس سے ہم وافر پانی پی سکیں اور پھر ہم دشمن سے لڑیں، اس طور پر کہ ہم پانی پی سکیں گے جبکہ ہمارا دشمن پانی کے بغیر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے درست رائے دی۔

۔۔ابنِ اسحاق نے روایت کیا کہ عبداللہ بن ابو بکرؓ نے بیان کیا کہ سعد بن معاذؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ کے لیے کھجور کی شاخوں سے ایک چھپر بنا دیتے ہیں کہ جہاں آپ قیام کریں اور آپ کا اونٹ تیار موجود ہو۔ پھر ہم دشمن سے لڑیں۔ اگر اللہ نے فتح عطا کی تو یہ وہ ہے جو ہماری چاہت ہے، اور اگر نتیجہ ہمارے حق میں برا نکلا تو آپ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ہمارے ان لوگوں سے جا ملیں جو (مدینہ میں) پیچھے رہ گئے ہیں۔ کیونکہ اے اللہ کے رسول! وہ آپ سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی ہم کرتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ آپ لڑنے جا رہے ہیں تو وہ پیچھے نہ رہتے۔ اللہ ان کے ذریعے آپ کا تحفظ کرے گا۔ وہ آپ کو امور میں مشورہ دیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر قتال کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف کی اور ان کے حق میں دعا فرمائی (سیرۃ ابنِ ہشام جلد اول صفحہ 616-621)۔

پھر آپ ﷺ نے اپنے لشکر کے صفوں کو درست کرنا اور ترتیب دینا شروع کیا۔ محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوں کو سیدھا کیا اور ان صفوں کو گنا اور ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کے ذریعے وہ لشکر کو برابر کر رہے تھے تو جب وہ سواد بن غزی کے پاس سے گزرے جو کہ بنی عدی بن نجار کے حلیف تھے، وہ سب سے باہر تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیٹ پر چھڑی لگائی اور فرمایا کہ "سیدھے ہو جاؤ، اے سواد بن غزی" (تاریخ طبری ج۔2 ص 446)۔ رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے آخری حصے پر قیس بن ابی صعصعہ اور عمر بن زید کو مقرر کیا۔ (المتاع الاسماع، ۱ ص 84)۔ غزوۂ بدر کی منصوبہ بندی کے مقابلے میں آج ہم مسلمانوں کی حقیقت کو بالکل الٹ دیکھتے ہیں کیونکہ ان کے پاس کوئی پختہ قیادت، کوئی فوجی منصوبہ بندی نہیں اور کوئی ایسا نہیں جو اس کے لیے عرق ریزی کرے۔ مسلمانوں کے حکمران خائن ہیں جو مسلمانوں کو اور ان کے ملکوں کو استعماری کافروں کے حوالے کیے ہوئے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کیسے خائن حافظ الاسد نے جنگ کے دوران قنیطرہ پر یہود کے قبضے کا اعلان کیا، اس سے قبل کہ یہود اس پر قبضہ کرتے۔ کیسے اردن کے شاہ حسین نے یہودیوں سے مقابلے پر اپنی فوجوں کو فرار کر دیا اور وہ یہود کی راہ سے ایک بھی میزائل فائر کیے بغیر ہٹ گئے۔ اور کیسے مصر کے انور سادات نے مسلمانوں سے غداری کی اور انہیں جنگ روکنے کا حکم دیا اگرچہ وہ بار لیو لائن Bar Lev Line کو عبور کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے اور نہر سویز کو بھی عبور کر چکے تھے۔ اور زیادہ دور کی بات نہیں اردگان کی قیادت کو ہی دیکھ لیں جس نے شام میں مسلمانوں کی پیٹ میں چھرا گھونپا اور

آپریشن فرات شیلڈ کو شروع کر کے شام کی حکومت مدد کی کہ وہ حلب پر کنڑول حاصل کر لے۔ حکمرانوں کی خیانتوں کی فہرست طویل سے طویل تر ہو رہی ہے، لیکن بہر حال ظلم کی رات جتنی مرضی لمبی ہو مگر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کی صبح ضرور طلوع ہو گی، جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے فکر مند ہو۔

بدر کے لشکر کی جہادی ثقافت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ عَلَى ٱلۡقِتَالِۚ ﴾ **"اے نبی ﷺ مسلمانوں کو قتال پر ابھاریئے"** (سورۃ الانفال-65)۔ تحریض کے لغوی معنی ہیں بہت زیادہ ابھارنا (فتح القدیر، جلد 2 صفحہ 370)۔ انس بن مالکؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے۔ عمیر بن حمام الانصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ایسی جنت کہ جس کی چوڑائی آسمان اور زمین جتنی ہے؟! آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو انہوں نے کہا: واہ واہ۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تمھیں کس چیز نے یہ کہنے پر ابھارا۔ عمیرؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! بس ایک اُمید ہے کہ کاش میں اس کے مکینوں میں سے ہوتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم انہی میں سے ہو۔ انہوں نے اپنی کھجوریں کھاتے ہوئے فرمایا: اگر میں زندہ رہوں اور اپنی کھجوروں کو ختم کروں تو یہ بہت لمبی زندگی ہے۔ پس انہوں نے اپنی کھجوریں پھینک دیں اور جنگ میں کود پڑے، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ یہ نصوص دلالت کرتی ہیں کہ فوج کو جہادی ثقافت دینا ایک فرض ہے اور اسے فوجی علوم کا حصہ ہونا چاہئے اور جہاد اسلام کی دعوت کو دوسری اُمتّوں تک لے جانے کا ذریعہ ہے۔ بدر کا لشکر اس ثقافت کے اثر کا عملی نمونہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قتال کے لئے ابھارا اور آپ ﷺ نے دشمن کے خلاف صبر اور ثابت قدم رکھنے کی تلقین کی اور صحابہ کو جہاد کے اجر کے متعلق بتایا اور یہ کہ اللہ کے راستے میں شہادت کا درجہ کیا ہے۔ اور مسلمان اس حال میں میدانِ جنگ میں اترے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے جنت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ اور وہ شہادت کے حصول کے لیے اس طرح صفیں بنا رہے تھے جیسے نماز کے لیے صفیں بنائی جاتی ہیں۔ مشکلات اور سختیاں ان کی نظر میں آسان ہو گئیں اور وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر دشمن کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔ دیکھیں کس طرح عمیر بن حمامؓ نے اپنی کھجوریں پھینک دیں اور جنگ میں کود گئے اور کفار سے لڑتے ہوئے شہادت کو گلے لگا لیا۔۔ دیکھیں کس طرح

معوذ بن ارفع اور معاذ بن عمرو بن جموح ابو جہل کی طرف لپکے اور اسے اس کے گھوڑے سے نیچے گرا دیا اگرچہ بنو مخزوم درختوں کے جھنڈ کی طرح اسے گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ اور دونوں لڑکوں میں سے ایک نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے جسم اس کے جسم سے الگ نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارے اور اس کے انجام کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

اس کے برعکس عرب لشکروں کی ثقافت، کہ جو 1967 میں یہودیوں سے ہار گئے تھے، جہادی جنگی ثقافت نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک قومی یا وطنی ثقافت تھی جو دشمن کی قوت و طاقت کے اثر کو کم کرنے کی بجائے اسے بڑھاوا دیتی ہے۔ یہ وہ وجہ تھی کہ زیادہ تر عرب فوجی ایک متزلزل ہمت اور ارادے کے ساتھ اپنے دشمن سے لڑنے کے لیے اترے اور وہ چند دن بھی یہودی فوج کے سامنے ٹِک نہ سکے، اس جنگ کے ڈرامے کے دوران کہ جو رچایا گیا تھا، کہ جس کے نتیجے میں انہوں نے شرم اور ذلت کے ساتھ فلسطین کی بابرکت سرزمین کو یہودی وجود کے حوالے کر دیا۔

آج دہشت گردی اور اسلام کے خلاف دہشت گردی کا پروپیگنڈہ مسلم افواج کی جنگی ثقافت میں سب سے نمایاں ہے جس نے ان افواج کو ہیجان میں مبتلا کر دیا، مسلمانوں نے مسلمانوں کو قتل کیا، ان کے سادات جان سے ہاتھ دھو بیٹھے بجائے یہ کہ یہ سب مسلم افواج امریکہ، روس اور یہودی وجود کا سامنے کرنے کے لیے ایک ہی صف میں کھڑیں ہوتیں۔ یوں جہاد فی سبیل اللہ معطل ہو گیا، فلسطین ہاتھ سے نکل گیا، افغانستان مقبوضہ ہو گیا، مشرقی ترکستان اور کریمیا پر قبضہ ہو گیا۔ ہمارے علاقے، ہماری فضا اور ہمارے سمندر استعماری کفار کی تفریح گاہ بنے ہوئے ہیں جبکہ مسلمانوں کی افواج ان کی نقل و حرکت کو بس دیکھتی ہیں اور ان کے ظلم و جارحیت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتیں بلکہ ذلت و رسوائی کا یہ عالم ہے کہ وہ انہیں جارح دشمن ممالک کی افواج کے ساتھ جنگی مشقیں کرتی ہیں، اور یمن، شام، عراق اور افغانستان میں مسلمانوں کے قتل کے حکم کو نافذ کرتی ہیں۔

بدر کی فوج اور اسلامی عقیدہ:

اس اسلامی برادری کی طرح جو مدینہ میں اسلامی عقیدہ اور ثقافت کی بنیاد پر تشکیل پائی تھی، بدر کی فوج بھی اسلامی عقیدہ پر تشکیل پائی تھی یہ فوج مہاجرین اور انصار، اوس و خزرج کے لوگوں پر مشتمل تھیں لیکن اس فوج میں سب برابر تھے، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں تھی سوائے تقویٰ کی بنیاد پر اور یہ سب قومیت کو پیچھے چھوڑ کر ایک

جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِن يُرِيدُوٓاْ أَن يَخۡدَعُوكَ فَإِنَّ حَسۡبَكَ ٱللَّهُۚ هُوَ ٱلَّذِيٓ أَيَّدَكَ بِنَصۡرِهِۦ وَبِٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٦٢ وَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِهِمۡۚ لَوۡ أَنفَقۡتَ مَا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعٗا مَّآ أَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوبِهِمۡ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ أَلَّفَ بَيۡنَهُمۡۚ إِنَّهُۥ عَزِيزٌ حَكِيمٞ﴾ (سورۃ الانفال 62:63)، **"اگر وہ آپ ﷺ سے خیانت کا ارادہ کریں تو اللہ آپ کیلئے کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے آپ کی تائید کی۔ ان کے دلوں میں الفت ڈال دی، اگر آپ خرچ کرتے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے"**۔ یہاں تک مہاجرین اپنا نسب تک بھول گئے مسلمانوں کے مولا اور غلام قریش کی تباہ کاریوں کے خلاف جنگ میں آگے بڑھے ان کے تلواریں اللہ کے دشمن کو مارنے میں لگ گئیں، کفار سے قتال کرنے کیلئے وہ ایک صف میں جمع ہو گئے یہاں تک ان کے سامنے کوئی اپنا ہی کیوں نہ ہو۔ ابن عساکر نے ابنِ سرین سے روایت کیا ہے عبد الرحمٰن بن ابو بکر بدر کے دن مشرکین کے ساتھ تھے، تو جب وہ اسلام لائے انہوں نے اپنے والد سے کہا آپ بدر کے دن میرے سامنے آ گئے تھے پھر میں نے آپ کو چھوڑ دیا اور آپ کو نہیں مارا۔ تو ابو بکرؓ نے فرمایا اگر تم میرے سامنے آتے تو میں تمھیں نہیں چھوڑتا اور اللہ کا قول ہے: ﴿لَّا تَجِدُ قَوۡمٗا يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ يُوَآدُّونَ مَنۡ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوۡ كَانُوٓاْ ءَابَآءَهُمۡ أَوۡ أَبۡنَآءَهُمۡ أَوۡ إِخۡوَٰنَهُمۡ أَوۡ عَشِيرَتَهُمۡۚ﴾ **"تم نہیں پاؤ گے قوم کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوست بنائیں ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی مول لی اگرچہ وہ ان کے آباء ہی کیوں نہ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قبیلے والے"** (سورۃ مجادلہ-22)۔ امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابنِ مسعودؓ نے فرمایا یہ آیت حضرت ابو عبید بن جراحؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اپنے والد عبد اللہ بن جراح کو اُحد یا بدر میں قتل کیا تھا۔ ابو عزیر بن عمیر بن ہشام جو حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی تھے، بدر کے دن مشرک قیدیوں میں سے تھے۔ ابو عمیر بیان کرتے ہیں: میرا بھائی میرے پاس سے گزرا جب انصار کے ایک شخص نے مجھے قیدی بنا لیا تھا۔ اور میرے بھائی نے کہا: اس کے ہاتھ کے بندھن سخت کرو، اس کی ماں بہت مالدار ہے وہ اس کے بدلے تمہیں بہت کچھ دے گی! (سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ 645)۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے: کچھ اہلِ علم نے مجھے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا أَهْلَ

الْقَلِيبِ، بِئْسَ عَشِيرَةُ النَّبِيِّ كُنْتُمْ لِنَبِيِّكُمْ، كَذَّبْتُمُونِي وَصَدَّقَنِي النَّاسُ، وَأَخْرَجْتُمُونِي وَآوَانِي النَّاسُ، وَقَاتَلْتُمُونِي وَنَصَرَنِي النَّاسُ... » **"اے قلیب کے لوگو! کتنے برے لوگ ہو تم، اے نبی کے خاندان والو۔ تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ اور لوگوں نے میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لائے۔ تم لوگوں نے مجھے نکال دیا جبکہ اور لوگوں نے مجھے تحفظ دیا، تم نے مجھ سے قتال کیا جبکہ اور لوگوں نے میری مدد و نصرت کی۔۔۔"** (البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 151)۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اس وقت کہا جب مسلمانوں نے بدر کے دن مشرکین کو قتل کرنے کے بعد انہیں بدر کے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ اسلام نے اسلامی عقیدے کے تعلق و رشتہ کو قومیتوں اور نسب و نسل کے تمام رشتوں پر غالب کر دیا تھا۔ مسلمان عرب میں ایک عقیدے پر مبنی مضبوط وجود بن کر ابھرے تھے۔ اور اس رشتے کی مضبوطی نے انہیں تمام جزیرہ نما عرب پر اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے اور پھر روم و فارس کو چیلنج کرنے میں مدد فراہم کی۔

یہ بات انتہائی عجیب ہے کہ آج مسلمان اس بات سے لاعلم ہیں کہ کس طرح وہ اپنے کافر دشمنوں کے ہاتھوں ہزیمت سے دوچار ہوئے، جب ان کی سرزمین کو قومیت اور وطنیت کے ذریعے پارہ پارہ کر دیا گیا اور ان علاقوں پر آج بدبودار عصبیت کے باطل جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ قومی، وطنی اور فرقہ وارانہ تعلقات نے اسلامی بندھن کی جگہ لے لی ہے۔ اس طرح مسلمان تقسیم ہو گئے ہیں، وہ اپنے ممالک کی سرحدوں کی حفاظت کی قسمیں کھاتے ہیں، وہ سرحدیں کہ جنہیں سائیکس پائیکاٹ معاہدے کے تحت کھینچا گیا تھا۔ ان سرحدوں پر چوکیاں قائم کر دی گئیں ہیں تاکہ مسلمانوں کے آنے اور جانے کی نگرانی کی جا سکے۔ فوجی سپاہیوں اور گارڈز کے کندھوں کو قومی تمغوں سے سجایا جانے لگا۔۔۔ اب کچھ باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ یوم آزادی پر ایک فوجی پریڈ ہو، قومی ترانے پڑھے جائیں، جنگی جہازوں کی کرتب بازیاں ہوں، حالانکہ کفار ہر جگہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں اور مسلمانوں کے گھروں کو مسمار کر رہے ہیں۔

اہلِ بدر نے اللہ پر یقین کیا اور اللہ نے ان کا یقین پورا کیا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **« إِنَّ اللَّهَ – عَزَّ وَجَلَّ - اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعمَلوا مَا شِئتُم، فقَد غَفَرتُ لَكُم »** (مسند احمد) **"اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر پر**

نگاہ ڈالی، جو چاہے کرو میں نے تمھاری بخشش کر دی ہے"۔ بیشک اہل بدر نے اللہ پر یقین کیا اور اللہ نے ان کا یقین پورا کیا۔ وہ اللہ پر یقین کرتے ہوئے اپنے رسول ﷺ کے حکم سے قتال پر گئے۔ اللہ پر یقین کرنے کے سبب اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کے سبب اللہ نے اپنے لشکر کے ذریعے ان کی نصرت کی۔ اللہ فرماتا ہے ﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الأَقْدَامَ o إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴾ (سورۃ انفال آیت 11-12)" (یاد کرو) جب وہ (اللہ) اپنی طرف سے تمھیں امن وسکون دینے کے لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اور آسمان سے تم پر بارش برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس کے ذریعے سے پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسوں کو دور کر دے اور تاکہ تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تاکہ اس کی وجہ سے (تمھیں) ثابت قدم رکھے۔ (اے نبی) جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم انہیں ثابت (قدم) رکھو جو ایمان لائے ہیں، میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب لگاؤ"۔

اللہ تعالیٰ اپنی مدد کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے ﴿ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلاً وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴾ (سورۃ آیت انفال 43)" (اے نبی یاد کریں) جب اللہ نے آپ کے خواب میں آپ کو ان (کفار) کی تعداد کم کر کے دکھائی اور اگر وہ آپ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم لوگ ضرورت ہم ہار دیتے اور اس معاملے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمھیں) بچا لیا"۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خواب میں جب کفار کو دیکھا تو ان کی تعداد کم تھی پھر آپ ﷺ نے اس خواب کے بارے میں صحابہ ؓ کو بتایا اور اس طرح اللہ نے ان کو مزید ہمت اور حوالے سے نوازا (تفسیر قرطبی)۔

اللہ پاک نے اپنی قدرت سے مشرکین کی تعداد کو کم کر کے دکھایا تاکہ مشرکین کو جنگ کی جگہ پر جمع کرے اور مسلمانوں کو ان کے خلاف اقدام کی ہمت دے کر اپنے وعدہ کو پورا کر دے۔ عبد اللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ مشرکین کی تعداد ہماری نظروں میں اتنی کم تھی کہ میں نے اپنے برابر والے شخص سے کہا" مجھے تو ستر کی تعداد معلوم ہو رہی ہے

اور تمھیں ؟"تواس نے کہا"ایک سو"اور جب ہم نے ایک شخص کو قیدی بنایااوراس سے پوچھا کہ تم لوگ کتنے تھے۔تو اس نے کہاکہ ہم تعداد میں ایک ہزار تھے۔سدی نے بیان کیاہے کہ "مشرکین کے کچھ لوگوں نے کہاکہ اب جب کہ قافلہ جاچکاہے (کہ جس کے پیچھے مسلمان نکلے تھے)تو واپس لوٹ چلتے ہیں تو ابو جہل نے کہااب محمد اور اس کے صحابہ نے ارادہ کرلیاہے تو جب تک ہم ان کو ختم نہیں کرلیتے ہم گھر نہیں جائیں گے۔ محمد اور اس کے ساتھی تو ذبح کردہ اونٹ ہیں کہ جنہیں ترنوالہ بنایاجائے (تفسیر بغوی جلد دوم صفحہ 298)۔ابنِ اثیر نے لکھاہے "عاتکہ بنت عبدالمطلب نے مکہ آنے سے تین دن قبل ایک خواب دیکھا تھا۔جس نے اسے خوفزدہ کردیا،اس نے یہ خواب اپنے بھائی عباس کو بتایا، وہ کہتاہے کہ ایک اونٹ سوار آیااور اس نے ابطح میں کھڑے ہو کر چیخ کر یہ اعلان کیااے آل غدر، تین دن میں اپنے قتل ہونے کی جگہ کی طرف نکلو۔لوگ اس کے ارد گرد جمع ہوگئے۔پھر وہ اپنااونٹ لے کر مسجد حرام کی طرف گیااور وہاں پر اس نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر پھر وہی اعلان کیا پھر وہ جبل ابی قبیس پر چڑھ گیااور وہاں سے وہی آواز لگائی اور اوپر سے اس نے ایک چٹان پھینکی جب وہ چٹان نیچے پہنچی تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور مکہ کا کوئی گھر ایسانہ رہاجس میں اس کا کوئی ٹکڑانا گراہو۔اور جب قریش جحفہ کے مقام پر پہنچے تو جہیم بن صلت بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف نے بھی ایک خواب دیکھا۔اس نے کہاکہ میں نے دیکھاہے کہ ایک گھوڑے پر سوار شخص آرہاہے اور اس کے پاس ایک اونٹ بھی ہے، پھر اس شخص نے کہا، عتبہ،شیبہ،ابوجہل اور اس کے علاوہ بہت سارے لوگ قتل ہوگئے ہیں، تو ابو جہل نے طنزاً کہا"یہ بھی بنو مُطلب میں سے ایک نبی ہے، عنقریب پتہ چل جائے گاکہ کون کون لڑائی میں مارا جائے گا۔ (الکامل فی التاریخ)۔ دو خواب کفار قریش پر بہت اثر انداز ہوئے، چنانچہ وہ ہچکچاہٹ اور تردد کے ساتھ میدان میں اترے جبکہ مسلمان جوش وخروش کے ساتھ مقابلے کیلئے سامنے آئے۔ مسلمانوں اور کفار میں بہت فرق تھا، مسلمانوں کو یقین تھاکہ انہیں دو میں سے ایک سعادت حاصل ہوگی، یعنی فتح یا شہادت جبکہ کفار اپنے دل میں چھپی نفرت یا دل میں بھرے ہوئے بغض یا ایک مٹھی بھر دینار کے لئے میدان میں اترے۔اور پھر ان کی بربادی ان کے سامنے تھی۔

یہ غزوہٗ بدر ہے جسے اللہ تعالٰی نے یومِ فرقان کا نام دیااور جو کہ رمضان میں پیش آیا۔اس کے بعد بھی کئی رمضان مسلمانوں کے لیے فتح کا پیغام لے کر آئے۔ لیکن افسوس کہ جب سے خلافت ختم ہوئی کتنے ہی رمضان گزر

گئے، مسلمانوں نے نہ ہی عزت کا مزہ چکھا اور نہ ہی فتح کی حلاوت محسوس کی۔ اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ جب ان پر ایسے ظالم حکمران مسلط ہیں کہ جو مردِ میدان نہیں۔ یہ حکمران امریکہ، یورپ، روس اور یہود سے دوستی کرنے میں لگے ہوئے ہیں کہ گویا انہیں اس بارے میں معلوم ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿**بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۔ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا** ﴾**"منافقین کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے وہ جنہوں نے کافروں کو دوست بنایا مسلمانوں کی بجائے۔ وہ ان سے عزت چاہتے ہیں حالانکہ ساری عزت اللہ ہی کیلیئے ہے "** (سورۃ نساء-138:139)۔ لیکن یہ حکمران اس امت کی مستقل قسمت نہیں۔ ان کے محل اتنے مضبوط نہیں کہ وہ سیلاب کی مانند امڈتی ہوئی اُمت کے سامنے کھڑے رہ سکیں کہ جو ان حکمرانوں کو اپنی گردن سے اتار پھینکنے اور اپنی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کے لیے پرجوش ہے، ان حکمرانوں کی سازشیں بے نقاب ہو چکی ہیں، اور ان کے پھلائے ہوئے شر سے پردے ہٹ چکے ہیں۔ اب صرف خلیفہ ہی مسلمانوں کا نجات دہندہ اور ڈھال بنے گا جس کی وجہ سے مسلمان اسلام کے جھنڈے تلے ایک ہونگے اور اللہ کے راستے میں یہود سے لڑیں گے، ہلکے ہوں یا بوجھل، اور امریکہ اور اس کے حواریوں کو شکست ہو گی، اور ہر اس غدار کو جس نے مسلمانوں کی تباہی کا بیڑا اٹھایا، انشاء اللہ۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

[فہرست](#)

سونے اور چاندی پر مبنی کرنسی (حصہ دوئم)

منیب الرحمٰن-پاکستان

3: سونے اور چاندی کی قیمت Economy کی علمبرداری نہیں کر سکتی:

سونے اور چاندی کے کم ہونے کی دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر اتنا سونا اور چاندی موجود بھی ہو کہ ہر آدمی کو دے دیا جائے تب بھی Digital and Derivative Currency کے علاوہ دنیا کی Economy ٹھوس حیثیت میں بھی اتنی بڑی ہے کہ سونا اور چاندی اس کی علمبرداری نہیں کر سکتا، یہاں اعتراض سونے اور چاندی کی مادی مقدار پر نہیں بلکہ قوتِ خرید پر ہے۔ مثال کے طور پر فرض کریں کہ ایک معیشت میں دس افراد ہیں جو ہر روز ایک روپے کی ایک روٹی خریدتے ہیں تو انہیں ہر روز ایک روپے کے دس نوٹ درکار ہوں گے تاکہ یہ خرید و فروخت جاری رہ سکے، اب اگر معیشت میں کرنسی کی مقدار دس روپے ہی رہے اور ایک ایک روٹی خریدنے والے افراد کی تعداد بڑھ کر ایک ہزار ہو جائے تو اب یہ دس روپے اس خرید و فروخت کو نہیں چلا سکیں گے، یوں کرنسی کی قلت معیشت میں پریشانی کا باعث بنے گی اور روزمرہ کی زندگی مفلوج ہو جائے گی کیونکہ سرمایہ دارانہ معاشیات کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ کرنسی کی فراہمی معاشرے میں تجارتی سرگرمی کے حساب سے ہونی چاہیئے۔

مگر اس نکتہ نظر میں ہی اس کی تردید چھپی ہے اور وہ یہ کہ جب سونا اور چاندی کرنسی کے طور پر رائج ہوگا تو پھر اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی جیسے آج کل اشیاء صرف کے طور پر دھاتوں کی قیمت ہوتی ہے، فرض کیا جائے کہ ایک روٹی کی قیمت ایک روپیہ ہے، مگر ایک روپے کی اپنی کیا قیمت ہے؟ جی ہاں، دراصل کرنسی کے پیمانے سے دوسری چیزوں کی قیمت لگائی جاتی ہے کیونکہ وہ خود ہی قیمت کے تعین کا ایک پیمانہ ہوتی ہے۔ کرنسی کی اپنی قیمت کی جگہ اس کی قوت خرید کا ایک تصور ہوتا ہے یا پھر دوسری کرنسیوں، کی نسبت اس کی شرح مبادلہ اور شرح مبادلہ بھی اس لئے اہمیت رکھتی ہے کیونکہ وہ یہ بتاتی ہے کہ تبدیل کی جانے والی کرنسی سے آپ اس نئی کرنسی سے کسی معاشرے سے کیا کچھ خرید سکتے ہیں یعنی یہاں بھی اصل چیز قوتِ خرید ہی ہے۔

معاشرے میں اشیاء کی قیمت ان کی طلب و رسد یعنی Supply and Demand کے تحت ہوتی ہے، کرنسی کا کام صرف پیمائش کا ہے، روٹی بنانے والا اپنی روٹی کی قیمت اس لحاظ سے مقرر کرتا ہے کہ وہ اس معاشرے سے ان روٹیوں کے بدلے کیا لینا چاہ رہا ہے، اس روٹی کا روپے کے نوٹ سے یا ایک کے ہندسے سے بذات خود کوئی رشتہ نہیں۔ ضروری نہیں کہ روٹی ہمیشہ ایک روپے ہی کی ہو، وہ ایک پیسے کی بھی ہو سکتی ہے اور ایک ہزار روپے کی بھی جو صرف اس بات پر منحصر ہے کہ معاشرے میں اس وقت ایک پیسے یا ایک ہزار روپے کی قوت خرید اتنی ہی ہے جتنا کہ روٹی والا معاشرے کو روٹی فراہم کرنے کی اجرت چاہتا ہے۔

اوپر مثال میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر معاشرے میں دس روپے ہوں اور دس لوگ ہوں تو کام چل سکتا ہے اور اگر ہزار لوگ بھی آجائیں تو کوئی مشکل نہیں کیونکہ اشیاء کی قیمت کم کر کے یہ خرید و فروخت کی جاسکتی ہے، اصل مشکل یہ ہے کہ دس روپے ایک ایک روپے کی شکل میں ہیں اور اس معاشرے میں ایک روپیہ پھر بہت بڑی قیمت کا نوٹ بن جائے گا جو روزمرہ خرید و فروخت کے لئے قابل استعمال نہیں رہے گا لیکن اگر اسی ایک روپے کو ایک ایک پیسے کے چھوٹے چھوٹے نوٹوں میں تبدیل کر لیا جائے تو ایسے ہزار نوٹ بن سکتے ہیں اور پھر وہی دس روپے ان ہزار لوگوں پر مشتمل معیشت میں بھی فعال کرنسی کا کام دے سکیں گے۔

دنیا میں موجود سونا اور چاندی یا پاکستان میں موجود سونے اور چاندی کی مقدار کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ دنیا کی یا پاکستان کی معیشت کتنی بڑی ہے، سونے اور چاندی کی قیمت ہر حجم کی معیشت کی علمبرداری کر سکتی ہے، رہی بات سونے اور چاندی کو اتنے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرنے کی کہ روزمرہ زندگی چل سکے، اس کے بہت سے طریقے ہیں، مثلاً چھوٹی خرید و فروخت کے لئے نصف اور چوتھائی دینار، چاندی کے درہم اور تانبے کے فلوس جس میں معمولی مقدار کا سونا یا چاندی جیسے 10 ملی گرام سونا یا چاندی اور 990 ملی گرام تانبا شامل ہو، کے سکے بنائے جاسکتے ہیں۔

سو یہ بات طے ہے کہ موجودہ سونے اور چاندی کے ذخائر سے معیشت کی علمبرداری کی جاسکتی ہے یعنی پاکستان میں قائم ہونے والی خلافت اگر کسی وجہ سے کچھ مہینوں کے اندر وسطی ایشیائی اور خلیجی ریاستوں کو ضم نہ کر سکی تو بھی پاکستان میں موجود سونے اور چاندی کے ذخائر سے پاکستان کی معیشت باآسانی چلائی جاسکتی ہے، فرق صرف اتنا

ہو گا کہ 10 گنا Deflation ہو جائے گی یعنی 10 روپے کا نوٹ 1 روپے کا ہو جائے گا اور 5000 روپے کا نوٹ 500 روپے کا ہو جائے گا، یعنی آج اگر ایک روٹی 10 روپے کی ہے تو Gold and silver Standard میں اس کی قیمت 1 روپے ہو جائے گی اور اسی طرح اجرتوں کا تعین بھی ہو جائے گا یعنی آج اگر ایک شخص کی اجرت 1 لاکھ روپے ہے تو Gold and silver Standard میں اس کی اجرت 10 ہزار روپے ہو جائے گی۔

4: دینار اور درہم کو اپنے لئے سونے اور چاندی کی قدر بڑھانی پڑے گی:

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ دس روپے دس روٹیوں کی علمبرداری بھی کر سکتے ہیں اور ہزار روٹیوں کی بھی، مگر دوسری صورت میں ان دس روپوں کی قدر یا قوت خرید بہت بڑھ جائے گی، اگر سونے اور چاندی کو بطور کرنسی بنا دیا گیا تو پھر سونے اور چاندی کی قدر اپنی موجودہ قدر سے بہت بڑھ جائے گی پس اگلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنے سے جن کے پاس اس وقت سونا اور چاندی موجود ہے ان کو زبردست فائدہ پہنچے گا۔

اس اعتراض کا آسان جواب یہ ہے کہ ایسا ہو نہیں جائے گا بلکہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے، یعنی سونے اور چاندی کی اصل قدر ہمیشہ سے اپنی ظاہری قدر سے بہت زیادہ ہے، کرنسی بنانے کے لئے اس کی قدر بڑھانی نہیں پڑے گی بلکہ اس کی ظاہری قدر کو اس کی اصل قدر سے ہم آہنگ کرنا پڑے گا، یعنی اگر ہم اس کی وضاحت کریں تو Manhattan, New York میں موجود Federal Reserve کا تصور کیجئے کہ جس کے نیچے سونے کے ڈھیر رکھے ہیں جس کے متعلق دنیا کے تیسرے امیر ترین فرد Warren Buffet نے کہا تھا کہ Gold gets dug out of the ground in Africa or someplace, then we melt it down, dig another hole, bury it again and pay people to stand around guarding it, It has no utility. Anyone watching from Mars would be scratching their head.

سونا افریقہ یا کسی اور جگہ سے نکلتا ہے، پھر ہم اسے پگھلاتے ہیں، دوسرا گھڑا کھودتے ہیں، اسے دوبارہ دبا دیتے ہیں اور اس کی حفاظت کے لئے چوکیدار رکھتے ہیں، یہ کوئی فائدہ مند بات نہیں، کوئی ہمیں مریخ سے دیکھ رہا ہو تو وہ اپنا سر کھجائے گا کہ یہ سب کیوں کیا جا رہا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان ازل سے سونے اور چاندی کے سحر میں مبتلا ہے اور آج بھی وہ لوگ جو بظاہر سونے اور چاندی کی کرنسی کے خلاف ہیں ان کو سونا اتنا عزیز ہے کہ اس کے ڈھیر لگا کر اس کے اوپر بیٹھے ہیں، بظاہر سونے کے Monetary role کے ختم ہو جانے کے باوجود اگرچہ صرف لکھنے کی حد تک ہی سہی مگر آج بھی سونا ہر قسم کی کرنسی کی بنیاد ہے۔

GDP کے لحاظ سے امیر ترین ممالک میں سے پانچ ایسے ہیں جن کے مرکزی بنکوں کے Forex Reserve میں سونے کی شرح 70 فیصد سے بھی زیادہ ہے، خود امریکہ دنیا کے سب سے بڑے سونے کے ذخیرے کا مالک ہے اور IMF جس کے ممبر بننے کے معاہدے میں سونے کو اپنی کرنسی بنانے کی ممانعت ہے، اسی IMF نے خود سونے کے ذخیرے اکٹھے کر رکھے ہیں، پس استعمار کی طرف سے سونے کو دی جانے والی اہمیت ان کی ذخیرہ اندوزی سے عیاں ہے۔

سونے کی قیمت کرنسی کی قیمت جانچنے کا بہترین آلہ ہے، اگر سونے کی قیمت چڑھتی جائے اور افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قوت خرید گرتی جائے تو پھر عوام کرنسی کی بجائے سونے کو اپنانا شروع کر دیتے ہیں۔ اول تو سونے کی تاریخی مالیاتی کردار کو کوئی حکومت پروپیگنڈا اور منفی تشہیر سے ختم نہیں کر سکتی اور دوسرا سونا ایک عوامی شئے ہے سو عوام جب چاہیں اسے مارکیٹ سے خرید سکتے ہیں، یہ دونوں باتیں حکومتوں پر بہت گراں گزرتی ہیں کیونکہ جب بھی عوام کا بھروسہ کاغذی کرنسی اور بانڈز مارکیٹ سے اٹھنے لگتا ہے تو وہ سونا خریدنے لگتے ہیں۔ عوام کے اس طرح حکومتی کرنسی ترک کرنے سے اس کرنسی میں مزید کمزوری واضح ہوتی ہے، یوں حکومت کے لئے نقصان ہو سکتا ہے جس میں کرنسی پر بھروسہ بالکل ناپید ہو سکتا ہے یا بانڈز مارکیٹ تباہ ہو سکتی ہیں اور پورا کاغذی کرنسی کا نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اس لئے حکومتوں کی کوشش رہتی ہے کہ عوام کو سونا خریدنے سے روکا جائے، پرانے زمانے میں جب حکومتیں زیادہ جبری

طاقت رکھتی تھیں اور عوام میں آج کی Information age جیسا شعور نہیں تھا تو حکومتیں یہ کام جبری طور پر بھی کر لیتی تھیں۔ البتہ آج کل یہ شاید کچھ مشکل ہو لہذا اب انہوں نے اس کا دوسرا طریقہ یہ نکالا ہے کہ عوام سے سونا لینے کے بجائے عوام میں خود ہی اس کے بے وقعت ہونے کا احساس پیدا کر دیا جائے اور اسی لئے حکومتیں سونے کی قیمت گرانے یا کم رکھنے کی کوشش کرتی ہیں، اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر کاغذی کرنسی سونے کا مقابلہ نہ کر سکے گی اور ان کا پورا نظام دھرے کا دھرا رہ جائے گا، پس سونے کی قیمتیں گرانا مرکزی بنکوں اور استعماری حکومتوں کی ایک مستقل غیر سرکاری پالیسی رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سونا کی بطور شئے آج بھی قیمت کہیں زیادہ ہے لیکن مصنوعی طریقوں سے اس کی قیمت کو کم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ کاغذی کرنسی کے نظام کو سہارا مل سکے تو جب یہی سونا بطور کرنسی اپنی اصل فطری قیمت پر لوٹے گا تو پوری دنیا کی معیشت کو سہارا دے سکتا ہے اور اس کی علمبرداری بھی کر سکتا ہے۔

5: Gold and silver Standard سے Deflation ہو جائے گی جو معیشت کے لئے مضر ہے:

یہ طے ہے کہ اشیاء کا قیمتوں کے ساتھ کوئی اندرونی تعلق نہیں بلکہ محض رسمی تعلق ہوتا ہے جسے تبدیل کیا جا سکتا ہے اور مزید یہ کہ سونا اور چاندی اپنی اصلی فطری قدر پر لوٹ کر اشیاء کے ساتھ اس نئی قیمت کا تعلق قائم کر سکتا ہے ، اب اس کی روشنی میں ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ اول تو سونے اور چاندی کو کرنسی بنانے سے یکدم بہت Deflation ہو جائے گی یعنی اشیاء کی قیمتیں سونے اور چاندی کی نسبت گر جائیں گی اور دوم یہ کہ Deflation مستقل بنیادوں پر معیشت کا حصہ بن جائے گی جو کہ ایک بہت بری چیز ہے۔

اس کے جواب میں سب سے پہلے تو اس بات میں فرق کیجئے کہ منزل اور اس تک پہنچنے کا راستہ دو مختلف چیزیں ہیں، مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے لئے مکہ کے تلخ مرحلے سے گزرنا پڑا، مگر اس مقصد کو اس لئے ترک نہیں کر دیا گیا کہ اس کا حصول مشکل تھا بلکہ مقصد کی طرف سفر جاری رہا کیونکہ مقصد بذات خود حکم شرعی کے اعتبار سے فرض تھا۔

سونے اور چاندی کی کرنسی کے فوائد مجموعی طور پر اس وقت حاصل ہونگے جب معاشرے میں یہ کرنسی رائج ہو گی، اس سے پہلے کاغذی کرنسی کو حذف کرنے میں جو مشکلات آئیں گی، وہ مقصد کی اہمیت کو ختم نہیں کر سکتیں، ان میں سے ایک مشکل یہ ہے کہ کاغذی کرنسی اپنے قدم جما چکی ہے اور اس میں بے جا اور مصنوعی پھیلاؤ کی وجہ سے معاشرہ افراط زر اور مہنگائی میں جکڑ گیا ہے۔ جب عوام سونے اور چاندی کو اختیار کرے گی تو سونے اور چاندی کی قیمت اپنی اصل کی طرف واپس جانے کی وجہ سے مہنگائی کم ہو گی اور قیمتیں گریں گی، یہ تو کوئی اتنی بری چیز نہیں کیونکہ اس سے عوام کو فائدہ پہنچے گا۔

اقتصادی لحاظ سے ایک اور سوال زیادہ اہم ہے کہ سونے اور چاندی کو کرنسی کی بنیاد رکھنے سے معاشرہ مستقل بنیادوں پر ایک ہلکی سی Deflation کا شکار رہے گا کیونکہ کرنسی کی مقدار اتنی ہی رہے گی یا بہت آہستہ بڑھے گی جبکہ اشیاء اور خدمات تیزی سے بڑھتی چلی جائیں گی۔

دراصل یہ بات ہی باطل اور فاسد ہے اور سرمایہ دارانہ سوچ کا مظہر ہے کہ مسلسل ایسی ہلکی سی Deflation بھی معیشت کے لئے مضر ہے۔

Deflation کی پہلی صورت ہے پیسے کا کسی علاقے سے کوچ کر جانا مگر اس کی وجہ ہمیشہ بیرونی ہوتی ہے مثلاً کوئی قدرتی آفت یا پھر جنگی یا خانہ جنگی کے حالات جو کہ لوگوں کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، یہ عمل فوری ہوتا ہے اور معاشرہ اپنے آپ کو ایک دم Capital اور کرنسی سے محروم پاتا ہے۔ اہم بات یہ کہ ایسا کبھی بھی کرنسی کی نوعیت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ غیر اقتصادی عوامل مثلاً سیاسی یا قدرتی حالات کی وجہ سے ہوتا ہے، ایسا نہ ہونے کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا اور اگر ایسا ہو تو دینار و درہم اور کاغذی کرنسی دونوں کے نظام میں ہو سکتا ہے، لوگوں میں یہ تاثر ہے کہ اگر ایسے حالات پیش آئیں تو کاغذی کرنسی ان سے مقابلہ کرنے کے لئے زیادہ لچک رکھتی ہے مگر ایسا نہیں ہے۔

بسا اوقات فوری طور پر دولت کی کمی واقع ہونے کی صورت میں معاشرہ از خود اس کا کوئی حل نکال لیتا ہے کیونکہ تجارت ایک فطری ضرورت ہے اور پانی کی طرح اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے اور سونا اور چاندی یا کاغذی کرنسی

خصوصی طور پر اس کو سہل یا مشکل بنانے میں کردار ادا نہیں کرتی جیسا کہ ہمیں تاریخ میں نظر آتا ہے کہ اگر کسی علاقے میں سونا اور چاندی دونوں ناپید ہو جائیں تو لوگ Barter کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، سو اس نوعیت کی Deflation بظاہر مضر ہونے کے باوجود سونے اور چاندی کو اپنانے سے پیدا نہیں ہو گی لہذا یہ نکتہ دینار و درہم کے خلاف استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

Deflation کی دوسری صورت وہ ہے جو دینار و درہم کو اپنانے سے واقعی پیدا ہو سکتی ہے اور فائدہ مند بھی ہو گی مثلاً اگر میرے پاس ایک درہم ہے اور میں اس سے ایک درجن انڈے خرید سکتا ہوں تو جب انڈوں کی قیمت گرے گی اور میں ایک درہم سے دو درجن انڈے خرید سکوں گا تو یہ صورت فائدہ مند ہو گی۔ انڈوں کی قیمت کم ہونے کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں، ایک وہ منفی وجہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا یعنی معاشرے سے Capital کم ہو جائے اور گاہک بھی کم ہو جائیں جس کی وجہ سے بیچنے والے کو اپنی آمدن جاری رکھنے کے لئے انڈوں کی قیمت کم کرنی پڑے گی، یہ منفی صورت ہے اور اور اس کی وجہ ہمیشہ خارجی اثرات ہوتے ہیں۔

قیمتیں کم ہونے کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ معاشرے میں سائنسی ترقی اور بہتر نظم و نسق Good Governance and Administration کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ پولٹری فارم کھلیں اور ذرائع پیداوار میں اضافے سے ایسا ہو جائے کیونکہ ایسا ہونے سے مصنوعات اور خدمات کی فراہمی میں اضافہ ہوتا ہے اور اشیاء کی قیمت کم ہو جاتی ہے یعنی معاشرے میں زیادہ سے زیادہ لوگ ان چیزوں کو خریدنے کی استطاعت حاصل کر لیتے ہیں یعنی ہر شخص کی قوت خرید بڑھ جائے اور وہ اچھی سے اچھی اشیاء حاصل کر سکے، اس کی ایک مثال ہمیں کمپیوٹر یا موبائیل فون کی مارکیٹ میں ملتی ہے، شروع میں کمپیوٹر بہت مہنگے تھے مگر سائنسی ترقی کی وجہ سے اب ہر کوئی کمپیوٹر خرید سکتا ہے، اسی طرح کوئی نیا موبائیل فون بھی جب جدید خصوصیات کے ساتھ متعارف کروایا جاتا ہے تو مہنگا ہوتا ہے مگر بعد میں دیگر کمپنیاں بھی مقابلے میں ویسے یا اس سے بہتر Product بنا کر قیمتیں گرا دیتی ہیں، سائنسی ترقی اور مارکیٹ میں مقابلہ اشیاء کو قابل رسائی بنا دیتا ہے اور ان کے معیار میں بھی اضافہ کر دیتا ہے، ایسی Deflation یا قیمتوں میں کمی ہر لحاظ سے ایک مثبت عمل ہے۔

تو پھر سرمایہ دارانہ معاشی ماہرین کیوں اس کے اتنے خلاف ہیں ؟اس کی وجہ ان کا یہ گمان ہے کہ Deflation سے معیشت تباہ ہو جاتی ہے اور کاروبار دیوالیہ ہو جاتے ہیں مگر اہم بات یہ ہے کہ اس کا اطلاق صرف ان کے سودی نظام میں ہوتا ہے، Deflation کا یہ خوف دینار اور درہم پر اعتراض کرنے والوں کا اہم نکتہ ہے اور اس نکتے کو سمجھنے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

فرض کریں کہ میں نے بنک سے لاکھ روپے قرض لے کر فرنیچر کے کاروبار میں لگایا، بنک نے شرط رکھی کہ میں بنک کو 3000 روپے ماہانہ لوٹاؤں گا جس میں سے 2000 روپے قرض کی اصل رقم ہو گی اور 1000 روپے سود ہو گا۔اگر میری آمدن بھی 3000 روپے ہی ہے اور میں ہر روز ایک کرسی 100 روپے کی بیچ دیتا ہوں تو میرا کاروبار آسانی سے چلتا رہے گا کیونکہ بنک کو اصل رقم اور منافع (سود) مل رہا ہے۔اب اگر معاشرے میں Deflation کا دباؤ پڑے اور میں یہ دیکھوں کہ لوگ کرسی نہیں خرید رہے تو مجھے قیمت کم کر کے 50 روپے کی کرنی پڑے گی، یوں کہنے کو تو مجھے نقصان ہوا یعنی میری آمدنی صرف 1500 روپے رہ گئی مگر کیونکہ یہ Deflation پورے معاشرے میں لاگو ہوتی ہے، سو باقی چیزیں بھی سستی ہو گئیں اور میں اب بھی اتنی ہی اچھی زندگی گزار سکتا ہوں، میرا کاروبار کاغذوں میں تو کم ہو گیا مگر حقیقت میں شاید میں اور زیادہ خوشحال ہو جاؤں کیونکہ میں اس کم آمدن سے بھی زیادہ خرید سکوں گا، مگر بنک کے قرض اور سود لوٹانے کے لحاظ سے یہ صورت مضر ہے کیونکہ اگر میری آمدن 1500 روپے ہو گئی تو میں اپنے بنک کو سود تو کیا قرض کی اصل رقم ادا کرنے سے بھی قاصر ہو جاؤں گا اور بنک میرا کاروبار دیوالیہ کر دے گا، یہی وجہ ہے کہ سودی نظام خصوصی طور پر Deflation کو اتنا مضر گردانتا ہے کیونکہ اس کا تمام نکتہ نظر اپنے قرض اور اس کے سود کی واپسی پر ہوتا ہے۔

بنک کے قرض کے علاوہ اس کو کاروباری سطح پر بھی دیکھ لیں، اگر میں لکڑی 60 روپے کی خریدتا ہوں اور کرسی بنا کر کسی کو 100 روپے کی بیچتا ہوں تو میرا کاروبار چل سکتا ہے مگر جب کرسی کی قیمت گر کر 50 روپے ہو جائے گی تو پھر مجھے نقصان ہی نقصان ہے اور مجھے کاروبار بند کرنا پڑے گا لیکن جب کرسی 50 روپے کی ہوئی تو لکڑی بھی تو 30 روپے کی ہو جائے گی یعنی نقصان صرف ایک بار ہو گا اور کاروبار میں ایسے یکبارگی نفع و نقصان کی کیفیت

Deflationاور Inflation دونوں صورتوں میں یکساں طور پر پیدا ہو سکتی ہے، اگر معاملہ ہمیشہ ایسا ہی رہا یعنی کرسی بنانے کے عمل کے دوران کرسیوں کی قیمت ہمیشہ گرتی چلی گئی تو پھر یہ صورت خارجی عوامل کی وجہ سے پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ سائنسی ترقی سے پیدا ہونے والی Deflation اتنی شدید اور فوری نہیں ہوتی اور اگر کسی ایک شعبے میں ایسا ہو بھی گیا تو معاشیات کے اصول اس کا ازالہ کرلیں گے مثلاً اگر کوئی کرسیاں بنانے والا دیوالیہ ہو جائے گا تو کرسیاں بنانے والوں کے فقدان کے باوجود کرسیوں کی مانگ میں تسلسل کی وجہ سے ان کی قیمتیں دوبارہ چڑھ جائیں گی یہاں تک کہ یہ کاروبار دوبارہ فائدہ مند ہو جائے گا۔

Deflation کی اس دوسری صورت میں معاشرہ سائنسی ترقی، بہتر نظم و نسق اور آبادی میں اضافہ کی وجہ سے زیادہ مصنوعات اور خدمات تخلیق کرلیتا ہے مگر کرنسی کی مقدار قدرتی یا معدنی وسائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اتنی ہی رہتی ہے یا ان مصنوعات اور خدمات کی مطابقت میں نہیں بڑھتی، اس وجہ سے معاشرہ رفتہ رفتہ Deflation کی طرف بڑھتا ہے اور کرنسی کی قوت خرید زیادہ ہوتی جاتی ہے، یہ ایک سست رفتار عمل ہے جو سوائے سودی بنکاری کے بذات خود معاشرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ قوت خرید میں اضافے کی وجہ سے عام آدمی کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ البتہ یہ بھی سچ ہے کہ طویل المعیاد نکتہ نظر سے کرنسی میں اضافہ کرنے کی بھی کوئی صورت ہونی چاہیئے تاکہ قیمتوں میں کچھ توازن کی کیفیت بھی برقرار رہے اور معیشت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ کرنسی میں اضافے کی گنجائش بھی نکلے۔ بعض حالات میں کرنسی میں اضافہ مفید بھی ہو سکتا ہے مثلاً جب آبادی یا معیشت تیزی سے بڑھیں لیکن اس کا واحد حل جس کی شرع ہمیں اجازت دیتی ہے کہ زمین سے مزید سونا اور چاندی نکلتا رہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پاکستان میں Rekodiq کے مقام پر دنیا کے پانچویں بڑے سونے کے ذخائر موجود ہیں جبکہ باقی اسلامی علاقوں میں بھی عمومی طور پر وسیع سونے اور چاندی کے ذخائر موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ دنیا میں وسائل انسانی ضروریات کے لیے کافی ہیں یعنی اللہ تعالی نے موجودہ 7 ارب انسان یا چاہے بڑھ کر 70 ارب انسان بھی ہو جائیں تو ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پوری دنیا میں خزانے مدفون کر رکھے ہیں جن کو

دریافت کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کی زمین پر پھیل جائیں اور اس کا فضل تلاش کریں اور بے شک وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔

6: دینار و درہم ہنگامی حالات میں حکومت کے ہاتھ باندھ دے گا:

کاغذی کرنسی چونکہ آسانی سے تخلیق کی جاسکتی ہے اس لئے حکومتوں کو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہنگامی حالات میں جتنی چاہیں کرنسی چھاپ کر مشکل وقت میں گزارا کر لیتی ہیں، دینار و درہم کے نظام پر یہ اعتراض بھی ہے کہ اگر ملک حالت جنگ میں آجائے یا کوئی قدرتی آفت آجائے اور حکومت کو زیادہ رقم کی ضرورت ہو تو دینار و درہم کے نظام میں اس کے ہاتھ بندھ جائیں گے جبکہ کاغذی کرنسی کے نظام میں وہ فوراً نوٹ چھاپ کر حالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

آئیں دونوں صورتحال کو باری باری دیکھتے ہیں۔

جنگ عظیمِ اول میں چار کروڑ افراد قتل ہوئے جبکہ جنگ عظیم دوئم میں 6 کروڑ افراد قتل ہوئے، معیشت کا نقصان اور باقی آبادی پر اس کے اثرات اس کے علاوہ، اس زمانے میں اس تعداد کا اندازہ یوں لگائیں کہ دنیا کے ڈھائی فیصد لوگ اس جنگ کی وجہ سے قتل ہو گئے۔ ان عظیم جنگوں کو جاری رکھنے کے لئے ریاستوں کو کثیر رقم کی ضرورت تھی جس کے لئے انہوں نے بے دریغ نوٹ چھاپے، معاشیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ اگر نوٹ چھاپنے کی یہ قوت موجود نہ ہوتی تو ریاستیں بہت پہلے جنگ بندی کر کے اس جنونی معرکے سے دست بردار ہو جاتیں، اس کی ایک مثال موجودہ دور میں امریکہ کی اسرائیل کو امداد یا افغانستان و عراق کی جنگیں ہیں، اگر ان جنگوں کو جاری رکھنے کے اخراجات براہ راست امریکی شہریوں کو ٹیکس کی صورت میں ادا کرنا ہوتا جس سے ان کے معیار زندگی میں واضح فرق پڑتا تو ان جنگوں کا ختم ہونا تو دور کی بات، امریکہ کبھی افغانستان و عراق میں داخل ہی نہیں ہوتا مگر چونکہ استعمار اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے عوام کو بے خبر رکھ کر نوٹ چھاپ چھاپ کر اپنا کام چلا لیتے ہیں اور عوام اس بالواسطہ ٹیکس کے ذریعے اپنی حکومتوں کی حمایت اس طرح کرتے ہیں کہ انہیں اس کے محرکات کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ اس کے برعکس جب نبی کریم ﷺ کو غزوات کے لئے سامان حرب کی ضرورت پڑی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو حکم دیا تو کوئی عاشقِ رسول

اپنے گھر کا آدھا سامان لے آیا تو کوئی اپنے گھر والوں کے لئے اللہ اور رسول ﷺ کا نام چھوڑ کر سب کچھ لے آیا تو خلیفہ آج شرعی محاصل، ریاستی فیکٹریوں کے منافع اور عوامی ملکیت کے حمیٰ کے ذریعے جنگ کے لیے درکار وسائل کا انتظام کر سکتا ہے۔

دوسری صورتحال وہ ہے کہ جس میں اگر قدرتی آفات وقوع پزیر ہو جائے تو حکومت کو فوری رد عمل پیش کرنا ہوتا ہے اور ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لئے فوری رقم کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے حالات میں بھی سونے اور چاندی کا نظام کوئی دشواری پیدا نہیں کرتا بلکہ محض معاملات کو زیادہ شفافیت اور دیانت سے سلجھانے کا طریقہ دیتا ہے۔ فرض کریں کہ سیلاب یا زلزلہ آگیا اور حکومت کو فوراً ایک لاکھ خیمے خریدنے ہیں، اگر خزانے میں رقم ہے تو چاہے وہ کاغذی کرنسی ہو یا دینار و درہم، کوئی فرق نہیں پڑتا، اس صورت میں دونوں کرنسیاں یکساں کارآمد ہیں لیکن دینار و درہم کے مقابلے میں کاغذی کرنسی کا فائدہ صرف اس وقت زیادہ محسوس ہوتا ہے جب خزانے میں رقم نہیں، اب دینار و درہم تو تخلیق نہیں کئے جاسکتے مگر نوٹ چھپ سکتے ہیں، اس ظاہری فائدے کو دیکھتے ہوئے لوگ اس کے پس منظر میں ہونے والے عمل کو بھول جاتے ہیں کیونکہ نوٹ دو طرح سے چھپ سکتے ہیں، ایک خود ہی مشین چلا کر چھاپ لیں دوسرا مارکیٹ میں بانڈز کی نوعیت کی کوئی دستاویز جاری کر کے، دونوں کے آخر میں آپ خیمے خرید سکیں گے۔

پہلی صورت میں اگر حکومت نے نوٹ خود ہی چھاپ لئے تو یہ ایک چوری ہے جو عوام سے اجتماعی سطح پر کی جا رہی ہے جبکہ دوسری صورت جو بانڈز والی ہے اس میں حکومت مارکیٹ سے سود پر قرض لے رہی ہوتی ہے جسے لوٹانا بھی پڑتا ہے، کاغذی کرنسی اور دینار و درہم کے نظام میں فرق صرف اتنا ہو گا کہ کاغذی کرنسی کا قرض مارکیٹ سے سود پر لیا جاتا ہے جبکہ دینار و درہم کا قرض بغیر سود کے لیا جائے گا۔ یہ قرض دینے والے عام عوام بھی ہو سکتے ہیں اور مخیر حضرات بھی، یہاں تک کہ خیموں کے تاجروں سے بھی قرض پر خیمے خریدے جا سکتے ہیں۔

آخر میں بات صرف اس پورے عمل میں درکار وقت کی رہ گئی، یہ سچ ہے کہ نوٹ چھاپنے کا عمل بہت سہل اور تیز رفتار ہے لیکن اگر Political will موجود ہو تو دینار و درہم میں قرض حاصل کرنا یا بڑے تاجروں سے

غیر مؤجل ادائیگی پر اشیاء حاصل کرنا بھی سہل اور فوری ہو سکتا ہے، دوسری طرف خلافت اپنے بیت المال میں بھی کچھ مال ہنگامی حالات کے لئے رکھ سکتی ہے اور ایسے حالات میں اپنے دیگر اخراجات سے ہاتھ بھی روک سکتی ہے۔

ہنگامی حالات ہوں یا جنگی حالات، ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اس حکومتی کردار سے بڑھ کر سب سے زیادہ اہم عنصر اسلامی معاشرے میں موجود انفاق فی سبیل اللہ کا وہ حکم ہے جو اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو دوسروں کی مدد کرتے ہوئے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ابھارتی ہے، اس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ کسی بھی ہنگامی یا جنگی صورتحال میں سرمائے کی کمی کا شکار نہیں ہوتا خواہ بیت المال خالی ہی کیوں نہ ہو۔

اختتامیہ:

دورِ حاضر میں کاغذی کرنسی صرف ایک زرِ مبادلہ ہے جو زرِ اعتبار کے طور پر کارآمد دکھائی دیتی ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض ممالک نے ایسے ذخائر یعنی سونا اور چاندی بطور ضمانت اپنے پاس جمع کر رکھے ہیں جبکہ بعض حالات میں کسی ریاست کے سرکاری املاک کو بھی بطور ضمانت تصور کیا جاتا ہے لیکن بہر حال کاغذی کرنسی محض ایک زرِ اعتبار ہے جو اپنے اندر تبادلے کی صلاحیت کے باعث ریاستوں کے درمیان استعمال ہو رہی ہے اور یہی استعمال اسے مقبول بنائے ہوئے ہے لیکن شارع نے جہاں ہمیں سونا اور چاندی پر مبنی کرنسی کے نفاذ کا پابند بنایا ہے وہیں بطور تسلی اور اطمینان کے لئے ہم تاریخ پر نظر ڈال سکتے ہیں، مثال کے طور پر حضرت عروہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں بھیڑ خریدنے کے لئے ایک دینار دیا، حضرت عروہؓ نے آپ ﷺ کے لئے اتنے پیسوں میں سے دو بھیڑیں خریدیں، پھر انہوں نے ایک بھیڑ ایک دینار میں بیچ دی اور ایک بھیڑ نبی پاک ﷺ کے پاس لے آئے، اس پر نبی پاک ﷺ نے تجارت میں برکت کی دعا دی، چنانچہ حضرت عروہؓ ہر سودے میں ہمیشہ نفع ہی کمایا کرتے تھے خواہ وہ سودا مٹی کا ہی کیوں نہ ہو (بخاری)۔

اب صورتحال یہ ہے کہ آج بھی ایک دینار کی مقدار کے برابر سونے سے ایک بھیڑ خریدی جا سکتی ہے اور اگر کوئی تھوڑی زیادہ کوشش کرے تو اس سے دو بھیڑیں بھی خریدی جا سکتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینار و درہم کی قیمت میں مسلسل استحکام پایا جاتا ہے جبکہ کاغذی کرنسی کبھی اور کسی بھی صورت میں اپنی قیمت برقرار نہیں رکھ سکتی اور

روز بروز انحطاط کا شکار ہوتی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ 1947 سے لے کر آج تک کے افراط زر کے اشاریہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روپے کی قدر انتہائی تیزی سے کم ہوئی۔ یہ قدری تعین ہمیں ایک اہم نکتہ نظر پہ لاتا ہے مگر اکثر طور پر نظرانداز کردیا جاتا ہے، اگر سونے اور چاندی کو قدر کے پیمانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تو مکہ اور مدینہ کی 14 سو سالوں پیشتر کی قیمتیں آج کی قیمتوں سے زیادہ مختلف نہ ہوتیں۔

اسی طرح اگر دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تین صدی قبل ہندوستان دنیا کا سب سے امیر ملک تھا، اس کے بعد چین کا نمبر آتا تھا، ان ممالک میں محنت کرنے کے بھرپور مواقع موجود تھے اور خطیر مقدار میں پیداوار ہوتی تھی، ان ممالک کا تجارتی سامان دنیا کے دور دراز علاقوں تک پہنچتا تھا لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب کرنسی سونا اور چاندی پر مبنی ہوتی تھی اور مرکزی بنکوں کا عالمی گروہ موجود نہیں تھا، کاغذی کرنسی کے نظام نے محنت کرنے والوں کو افراط زر اور شرح تبادلہ کی شعبدہ بازی کی وجہ سے نہایت غریب کردیا جبکہ کاغذی کرنسی چھاپنے والے اور اس کے سہارے شرح تبادلہ کنڑول کرنے والے ممالک نہایت ہی امیر ہوگئے ہیں۔

آج پوری دنیا میں کوئی ایسا مستحکم نظام نہیں جو تمام معاشی مسائل کے حل کے لئے جامع اور پائیدار حیثیت کا حامل ہو۔اشتراکی نظام کی ناکامی کے بعد سرمایہ دارانہ نظام بھی انسان کے معاشی مسائل کے حل میں ناکام نظر آتا ہے۔

جبکہ اسکے برعکس اسلام کے معاشی نظام کا غیر جانبدرانہ تجزیہ بتاتا ہے کہ اس نظام نے اپنی عالمگیریت کے سبب نہ صرف اس وقت پیش آنے والے مسائل کا حل نکالا بلکہ شرعی نصوص میں وہ قابلیت اور وسعت موجود ہے کہ چودہ صدیوں بعد کے مسائل کے حل بھی اس میں موجود ہیں۔ لہذا آج اور قیامت تک آنے والے تمام اقتصادی مسائل کا حل بھی اسلام کے معاشی نظام میں پوشیدہ ہے۔ دنیا نے یکے بعد دیگرے مختلف معاشی نظاموں کے تجربے کئے، لیکن کوئی نظام بھی انسانوں کے معاشی مسائل کو مکمل طور پر حل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا، انسانوں کے بنائے نظاموں میں طاقتوروں نے کمزوروں کا استحصال کیا، جو دولت مند تھے وہ رفتہ رفتہ دولت کے تمام وسائل پر قابض ہوتے گئے اور جو غریب تھے وہ رفتہ رفتہ مزید غربت کے شکنجوں میں کستے گئے۔ سرمایہ دار ساہوکاروں نے اپنے سودی اور استحصالی کاروبار کو بقا دینے کے لئے بنکوں کی مہذب استحصالی شکل تیار کی اور سودی کاروبار کے اڈے بنکوں کی شکل میں تمام

ممالک میں پھیل گئے۔ جبکہ اسلام کا معاشی نظام فطرت سے ہم آہنگ اور تمام اقتصادی مشکلات کا واحد حل ہے، اس لئے کہ یہ نظام نہ تجربات کا مرہون منت ہے اور نہ معاشی ماہرین کی ذہنی کاوش کا نتیجہ، بلکہ یہ معاشی نظام خالق کائنات کی طرف سے ہے جسے پیغمبر اسلام ﷺ نے پیش کیا۔ اس لئے یہ نظام ہی وہ واحد نظام معیشت ہے جو اگر تمام عالم میں نافذ ہو جائے تو دنیا کی تمام معاشی ضروریات کو اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دیگر معاشرتی مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی معیشت کی خود مختاری اور اسلامی معاشرے کی معاشی خوشحالی کے لئے اسلام کی طے کردہ سونے اور چاندی کی کرنسی کو فی زمانہ رائج کرنے کی عملی صورتوں کے بارے میں غور و فکر کیا جائے۔ ان شاء اللہ یہ خلافت کا معیشتی نظام ہی ہو گا جو سونے اور چاندی کی کرنسی کو رائج کر کے افراطِ زر کے مسئلے کا جڑ سے خاتمہ کرے گا۔

حوالہ جات:

http://www.pbs.org/wgbh/commandingheights/shared/minitext/ess_inflation.html

Is the Gold Standard still the Gold Standard among monetary systems? By Lawrence H. White

https://en.wikipedia.org/wiki/Nixon_shock

https://en.wikipedia.org/wiki/CFA_franc

https://en.wikipedia.org/wiki/Bretton_Woods_system

https://onlygold.com/faqs/facts-and-statistics/

https://www.bbc.com/news/magazine-21969100

https://en.wikipedia.org/wiki/Money_supply

https://www.goodreads.com/quotes/546212-gold-gets-dug-out-of-the-ground-in-africa-or

https://www.imf.org/external/about/gold.htm

فہرست

خلافت اور ورلڈ آرڈر

افضل قمر-پاکستان

جب ہم دنیا پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں کئی طاقتور اتحاد ایک دوسرے کے مد مخالف نظر آتے ہیں اور سوچ پیدا ہوتی ہے کہ اگر خلافت ہوتی تو طاقت کی اس کشمکش میں کیا فرق پڑتا۔ سب سے پہلے تو اسلامی تعاون کی تنظیم (او آئی سی) کو اس بحث سے باہر رکھنا ہو گا کیونکہ وہ تو اس کشمکش کا حصہ ہی نہیں۔ او آئی سی نے خود کو سعودی خارجہ پالیسی کے آلہ کار کی حیثیت تک محدود کر دیا ہے اور چونکہ خود سعودی عرب نے اپنے آپ کو امریکہ کے ماتحت رکھا ہوا ہے، لہٰذا او آئی سی محض امریکی خارجہ پالیسی کی حمایت کی ہی ایک شکل ہے۔

اگر کوئی سیموئل پی ہنٹنگٹن کے 'تہذیبوں کے تصادم' کے نظریے پر دوبارہ نگاہ ڈالے تو اسے ایک خلاء نظر آئے گا۔ اس کے مطابق مغرب کو غلبہ حاصل کرنا تھا لیکن اسے نظر آیا کہ مغرب کو کنفیوشش کی اور اسلامی تہذیبوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ تاہم، حقیقت میں آج ایک غالب مغربی ریاست یعنی امریکہ اور اس کے مد مقابل ایک معروف کنفیوشین ریاست یعنی چین موجود ہے، جبکہ اس کے مقابل کوئی اسلامی ریاست موجود نہیں جو امریکہ سے ٹکر لے سکے یا کم از کم اتنا مقابلہ کر سکے جتنا چین کر رہا ہے۔ ہنٹنگٹن کے تجزیے کو سختی سے چیلنج کیا گیا اور یہ یقیناً غلطی سے پاک نہیں ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ریاستِ خلافت کی موجودگی اس بات کو بھی سچ ثابت کر دیتی کہ آج کوئی بھی ریاست اسلامی تہذیب کی نمائندگی نہیں کرتی۔ ریاست خلافت کو اس غرض سے معرض وجود میں نہیں آنا چاہیے کہ اس نے مقابلہ کرنا ہے لیکن ایک بار اس کے وجود میں آجانے کے بعد، اگر اس نے خود اپنی سلامتی اور اسلامی نظاموں کے نفاذ کے بنیادی معیار پر پورا اترنے کی ٹھان لی تو اس کا مقابلہ لازمی ہو گا۔

خلافت کی طرف سے سرمایہ داریت پر مبنی نظام کو مسترد کرنے سے پیدا ہونے والی ہلچل کے علاوہ، ریاستِ خلافت کا مطلوبہ مقصد دعوت اور جہاد ہے۔ یہ خصوصاً ان نام نہاد امن کی خواہاں عالمی ریاستوں کے لیے

پریشان کن ہوگا جو صرف اپنے مفادات کیلئے ہی امن چاہتی ہیں کیونکہ ریاستِ خلافت دوسری ریاستوں میں عدم مداخلت کے اصول کو مسترد کردے گی۔ یہ موجودہ عالمی ریاستوں کی طرز پر منافق نہیں ہوگی جو اپنے مفادات کو آگے بڑھانے کی خاطر مداخلت کرتے ہوئے عدم مداخلت کا دعویٰ کرتی ہیں۔ ریاستِ خلافت باقی دنیا کے لیے سمجھنے میں آسان ہوگی کیونکہ دیگر ریاستوں کے بارے میں اس کی پالیسیاں واضح ہوں گی۔ وہ مسلم ریاستیں، جن پر ماضی میں کسی بھی دور میں اسلام نافذ رہا، انہیں واپس خلافت کا حصہ بنانا ہوگا۔ غیر مسلم ریاستیں، جیسے سامراجی ریاستیں مثلاً امریکہ، برطانیہ یا فرانس، کو کافر حربی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ حقیقی لڑائی کا تعین خلیفہ بطور امیرِ جہاد کی جانب سے ہوگا، لیکن ان کے ساتھ امن (جنگ بندی) صرف دو چیزوں پر منحصر ہوگا: ان کے ساتھ معاہدے کا موجود ہونا اور ان کی سرحدوں کے اندر اور باہر مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک۔

یہ پیشن گوئی کی جاسکتی ہے کہ او آئی سی کی 56 مسلم ریاستوں کی بنسبت ریاستِ خلافت پریشانیوں سے نمٹنے میں کہیں زیادہ کارگر ہوگی۔ ریاستِ خلافت کے قیام کے بعد سب سے پہلے اسے ان مسلم ریاستوں سے نمٹنا ہوگا جو اس کی اطاعت نہیں کرتیں۔ وہ مسلم ریاستیں جو خلافت کو قبول نہ کریں اور جو اسلامی نظام کو نافذ کرنے سے بھی گریز کریں، وہ باغی تصور کی جائیں گی اور ان سے لڑائی جاری رکھی جائے گی یہاں تک کہ اطاعت قبول کرلیں۔ جب وہ اطاعت قبول کرلیں تو ان سے سلوک اس کے برعکس ہوگا جو حربی کفار کے ساتھ ہوتا ہے جہاں جنگ اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک مسلمان اپنا نظام بھی نافذ نہ کرلیں۔

خلافت کے خاتمے کے وقت مسلمانوں کا مسئلہ استعمار تھا۔ خلافت سے باہر مسلمانوں کی تین بڑی آبادیاں تھیں، جن میں ہندوستان (جہاں مسلمان اقلیت میں آباد تھے)، انڈونیشیا اور وسطی ایشیاء شامل ہیں، یہ تینوں بالترتیب برطانوی، ڈچ اور روسی کالونیاں تھیں۔ خلافت نے بلقان میں کافی حد تک علاقہ گنوادیا تھا لیکن اصل بندر بانٹ سائکس پائیکاٹ معاہدے کے تحت ہوئی جب برطانیہ اور فرانس نے عرب علاقوں کو آپس میں تقسیم کرنے پر اتفاق کیا، اور بالاخر پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت کے خاتمے پر اس معاہدے پر عمل درآمد ہوا۔ ترکی کی پہلی جنگ عظیم میں شکست

نے مسلمانوں کے لیے دو مشکلات پیدا کر دیں، پہلی مشکل خلافت کا خاتمہ تھا اور پھر سائکس پائیکاٹ معاہدہ ہوا جس کے تحت باقی مشکلات کے ساتھ ساتھ فلسطین کو برطانیہ کے حوالے کر دیا گیا جو ولایہ شام کا حصہ تھا، یعنی اس صوبے کا واحد حصہ جو فرانس کے حوالے نہیں کیا گیا، جس کا مقصد یہودیوں کے لیے ریاست قائم کرنا تھا۔ آخری طاقتور عثمانی خلیفہ سلطان عبد الحمید دوئم نے صیہونیوں کو فلسطین میں کوئی بھی زمین دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے برعکس انگریزوں نے اس کو ممکن بنانے کے لیے کام کیا اور خلافت کے خاتمے کے بعد اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔

جب برطانیہ نے 1948 میں فلسطین چھوڑا اور جس کے نتیجے میں نکبہ کا واقعہ ہوا جو دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک بہت بڑا انسانی المیہ تھا، برطانیہ نے اس سے پہلے 1947 میں ہندوستان کو آزادی دی جس میں سے پاکستان وجود میں آیا (جس میں سے 1971 میں بنگلہ دیش بنایا گیا) جو ایک مسلم ریاست تھی۔ اس کے بعد مسلم ریاستوں میں نام نہاد آزادیوں کا کام تیزی سے آگے بڑھا اور نہ صرف عرب علاقے بلکہ سہارا کے افریقی ممالک بھی ایک ایک کر کے آزاد کیے گئے۔ کثیر تعداد میں موجود ان نام نہاد آزاد اور نو مولود مسلم ریاستوں کو 1969 میں "او آئی سی" کی تشکیل کے ذریعے منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔ "او آئی سی" کی تشکیل دو بڑے واقعات کے بعد سامنے لائی گئی: 1967 میں چھ روزہ جنگ، جس کے نتیجے میں مسجد اقصیٰ یہودیوں کے قبضے میں چلی گئی، اور پھر مسجد اقصیٰ میں آگ لگنے کا واقعہ، جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ تمام مسلم حکومتیں، چاہے بادشاہت ہو یا آمریت، امریکہ یا روس کے تابع تھیں اور انہیں دباؤ کے نتیجے میں کچھ کر دکھانے کی ضرورت تھی۔ تاہم، مسلمانوں کے لیے پریشانیوں کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ خلافت کے انہدام کے بعد فلسطین اور کشمیر کے اصل مسائل حل نہ ہو سکے، بلکہ ان میں اضافہ ہوا اور شمالی قبرص، مشرقی تیمور اور جنوبی سوڈان کے مسائل بھی ان میں شامل ہو گئے، جب کہ روہنگیا اور ایغور دونوں ہی جبر کے ایک نئے دور کا سامنا کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو جبر کے ایک نئے دور کا سامنا ہے۔

موجودہ نظام کے مسلمانوں کے جذبات سے مطابقت نہ رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ نئی تشکیل کردہ مسلم ریاستوں نے اپنے مفادات کی پیروی کرنا شروع کر دی۔ ان ریاستوں کو کنٹرول کرنے والے حکمرانوں کے بہت سے مفادات باہم ٹکراتے ہیں۔ اس کی ایک واضح مثال سعودی عرب ہے، جس نے ایک بھارتی آئل ریفائنری میں 15

ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کا وعدہ کیا ہے۔اس کے نتیجے میں سعودی عرب میں ایک طبقہ بھارت کے ساتھ اچھے بلکہ بہترین تعلقات قائم رکھنے کا خواہاں ہے۔ سعودی حکومت کیلئے اس طبقے کو ایک اور طبقے کے ساتھ لے کر چلنا ضروری ہے جو چاہتے ہیں کہ سعودی عرب کشمیر کے لوگوں سے ناروا سلوک پر بھارت کو چیلنج کرے۔اس طرح، تمام مسلم حکومتوں کو اپنی رعایا کے دباؤ کی وجہ سے کسی ایک پالیسی کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔اس سلسلے میں خلافت کسی بھی دوسری ریاست کی طرح کام کرے گی۔ حکومت کی پالیسی اس بنیاد پر ہو گی کہ خلیفہ امت کے حقیقی احساسات کی عکاسی کرے جو گہرائی سے اسلام میں پیوست ہیں اور ریاست بھر میں ایک ہی خلیفہ کے احکامات پر عمل درآمد ہو گا۔ خلافت اس وقت کی موجودہ مسلم ریاستوں سے، جہاں مسلمانوں کیلئے مسائل جنم لیتے ہیں، کہیں زیادہ طاقتور ہو گی اور خلیفہ کوئی ہچکچاہٹ محسوس کیے بغیر مسلمانوں کی مشکلات کو فوراً حل کرے گا اور اس طرح امت کے اندر اپنا مقام پیدا کر لے گا۔

امت کے امور سے متعلق معاملات میں خلیفہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ بیعت (انتخاب) کے ذریعے منتخب تو ہوتا ہے لیکن اسے ریٹائرمنٹ (یعنی محدود مدت) کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔چونکہ خلیفہ کی معیاد اس کی زندگی تک محدود ہے، جس کے اختتام سے وہ بھی اتنا ہی لاعلم ہے جتنا کوئی اور شخص، لہٰذا اسے وہ اعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی جو اسے دوبارہ منتخب کروا سکیں۔اس طرح غیر ملکی طاقتیں اس کو دوبارہ انتخابات میں مدد کی پیش کش نہیں کریں گی کیونکہ اسے کسی انتخابات کا سامنا ہی نہیں کرنا پڑے گا، اسے خلیفہ رہنے کے لیے کسی قسم کے دکھاوے کی ضرورت بھی نہیں ہو گی۔اسے بیرون ملک سے تنقید کا اندیشہ ہو سکتا ہے لیکن اگر اس کی حکومت پر انسانی حقوق کے بارے میں تنقید کی جائے جس کی کوئی بنیاد نہیں تو وہ اسے نظر انداز کر دے گا۔اسے کسی بھی غیر ملکی ایجنڈے پر عمل کرنے کی ترغیب نہیں دی جاسکتی، اسی وجہ سے، امت آجکل کے حکمرانوں کے مقابلے میں ریاستِ خلافت کے حکمرانوں تلے سکون محسوس کرے گی۔ خلیفہ کو درپیش ایک بڑا پوشیدہ مسئلہ بیرون ممالک میں رہائش پذیر مسلمان ہوں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگ خلافت کی بحالی کے بعد اس کی طرف لوٹ آئیں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگ وہیں قیام کرنے کو اختیار کریں۔ خلیفہ کا ان کے ملک کے ساتھ رویہ اس بنیاد پر ہو گا کہ آیا وہاں مسلمانوں

کو شریعت کی پیروی میں مشکلات تو نہیں۔اس تعلق میں ریاستِ خلافت میں موجود ان مسلمانوں کے رشتہ دار خلیفہ پر دباؤ بھی ڈال سکتے ہیں اور اس کا امکان بھی ہے کہ باہر بیٹھے لوگ اپنی حکومت کی چالوں کی بناء پر دباؤ پیدا کریں۔اسی وقت ان اجنبی ممالک کو بھی دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا جو اس لیے ان پر پڑے گا تاکہ وہ وہاں مقیم مسلمانوں کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت دیں۔

ریاستِ خلافت کے شہریوں کو ایسا سربراہِ حکومت ملے گا جو خود بھی شریعت کا پابند ہو نہ کہ کوئی آمر جو جب چاہے اپنی مرضی کا قانون بنائے، جس سے ان شہریوں کے حالات میں قدرے بہتری نظر آئے گی۔ محکمۂ مظالم شہریوں کے لیے چشم کشا ثابت ہو گا جو خلافت میں آج کی رسمی بیوروکریٹک ریاستوں کے مقابلے میں کافی حد تک بہتری لائے گا۔ یہاں تک کہ مغرب کو بھی فائدہ ہو گا یا کم از کم عام آدمی کو ہی انصاف ہوتا نظر آئے گا۔ حکومتوں کو حکمران پر زیادہ اختیار نہ ہونے پر اعتراض ہو سکتا ہے لیکن عام آدمی شاید تمام معاملات پر مرکزی قیادت کا خیر مقدم کرے گا۔ مثلاً، ہم عسکریت پسند گروہوں کا معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کے طرزِ عمل کا خاتمہ دیکھیں گے کیونکہ خلیفہ جہاد کا امیر ہو گا اور اس طرح وہی وہ واحد شخص ہے جو جہاد کا اعلان کر سکتا ہے جبکہ موجودہ حالات میں افراد یا گروہ جہاد کا اعلان کر دیتے ہیں، اور یہ خلیفہ کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں ہو گا۔ اس سے اسلامی علاقوں میں عسکریت پسندی کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو جائے گا۔ فی الحال، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی سرزمین پر عسکریت پسندی کے لیے زیادہ تر حمایت اس لیے موجود ہے کیونکہ ابھی کوئی خلیفہ موجود نہیں جو جہاد کا اعلان کرے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خلیفہ محض اس بات کا تعین نہیں کرتا ہے کہ کن لوگوں سے مقابلہ ہونا ضروری ہے بلکہ وہ اس کیلئے وقت کا تعین بھی کرتا ہے۔ وہ اسلامی عسکریت پسندوں سے اس بات پر اتفاق کر سکتا ہے کہ امریکیوں، یا فرانسیسیوں یا مشرقی تیموریوں کے خلاف لڑائی کرنی ہے لیکن اگر وہ یہ طے کرتا ہے کہ یہ وقت مناسب نہیں تو وہ خود اپنا فیصلہ مسلط نہیں کر سکتے۔ مزید یہ کہ ریاست کے زیر اہتمام منظم جہاد کے ذریعے نتائج برآمد ہونے کا زیادہ امکان ہے جو مسلم دنیا کے بیشتر عسکریت پسند گروہوں نے حاصل کرنا چاہا لیکن زیادہ تر اسے حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

یہ خلافت کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو حاصل ہونے والے مختلف انواع کے فوائد ہی ہیں کہ اس کے خاتمے کے لیے یوروپی طاقتوں نے بہت محنت کی۔ نبوت کے طریقہ کار پر خلافت کی بحالی ایک فرض ہونے کے ساتھ ساتھ وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعہ مسلمان اپنے ضروری اور انتہائی اہم مقاصد کو پورا کر سکتے ہیں۔

فہرست

پاکستان کے مسلمانوں کا مستقبل اسی وقت روشن ہو سکتا ہے جب پاکستان چین وامریکہ کے استعمار سے منہ موڑ کر، اسلام کے ہمہ گیر نفاذ کے ذریعے، خودانحصاری کی راہ پر گامزن ہو جائے

عثمان عادل-پاکستان

امریکہ اور چین کی مخاصمت اس وقت عالمی بساط پر سب سے نمایاں مسئلہ ہے۔ چین کہ جس کا شمار پچھلی صدی کی 80 کی دہائی تک ایسی ریاستوں میں نہیں ہوتا تھا جو کہ عالمی بساط کو ترتیب دینے میں اثر ورسوخ کی حامل ہوں، اب دنیا کی بڑی طاقتوں میں اپنی جگہ بنا چکا ہے۔ ایک ایسی طاقت جو موجودہ دور کی سپر پاور امریکہ کی پالیسیوں کو کسی حد تک متاثر کر رہی ہے۔ چین کے متعلق پیشن گوئی کی جارہی ہے کہ وہ 2028 تک دنیا کی سب سے بڑی معیشت بن جائے گا۔ وہ افریقہ سے لے کر لاطینی امریکہ تک اور آسٹریلیا سے لے کر یورپ تک اپنا معاشی جال بچھا چکا ہے۔ حال ہی میں چین نے آسیان ممالک سمیت ایشیاء کے 15 ممالک کے ساتھ Regional Comprehensive Economic Partnership کا تجارتی معاہدہ کیا جس کا حجم یورپی یونین سے اور امریکہ کے لاطینی امریکہ اور کینیڈا کے ساتھ معاہدے سے بڑا ہے۔ چین G5 ٹیکنالوجی کی دوڑ میں امریکہ کو چیلنج دے رہا ہے اور اپنے پانیوں میں فوجی موجودگی کو مضبوط بنا رہا ہے۔

یہ صورتِ حال عالم اسلام کی واحد ایٹمی طاقت پاکستان کے رہنے والے مسلمانوں کو غور کرنے کی دعوت دیتی ہے، جس کی سرحدیں چین سے ملتی ہیں اور جو اس عظیم اسلامی بیداری کا اہم میدان ہے جو مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر افریقہ تک عالمِ اسلام میں نمایاں ہو چکی ہے۔

جہاں تک خطے کی موجودہ سیاسی ترتیب کا تعلق ہے تو امریکہ بھارت میں اپنا اثر رسوخ بڑھا رہا ہے اور وہ چین کی طاقت کو محدود کرنے کے لیے بھارت کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ بھارت ایشیاء کے ان

ممالک میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرے جنہیں چین اپنے قریب کرنا چاہتا ہے اور چین کے پانیوں میں بھارت اپنی موجودگی میں اضافہ کرے اور چین کے علاقائی عزائم کے راستے میں رکاوٹ بنے۔ امریکہ پاکستان کی فوجی و سیاسی قیادت کے ذریعے کشمیر سے پاکستان کی دستبرداری کو ممکن بنا کر بھارت کے اہم عسکری سر درد کو کسی حد تک ختم کر چکا ہے۔ بھارت کی طرف سے کشمیر کو ہڑپ کرنے کا جارحانہ جواب نہ دے کر پاکستان بھارت کو خطے میں ابھرنے میں مدد فراہم کر رہا ہے، جو فی الوقت کسی جنگ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس وقت بھارت اور پاکستان کے مابین کسی بڑی جنگ کو ہونے سے روکنا امریکہ کے سٹریٹیجک مفاد میں ہے، تاکہ بھارت کی توجہ چین پر مرکوز رہے اور بھارت کی معیشت کو جنگ کے نتیجے میں کوئی جھٹکا نہ لگے۔ اس سلسلے میں چین کی پاکستان کے ساتھ سرگرمیاں اور اپنے معاشی و علاقائی فائدے کے لیے پاک بھارت جنگ کے امکان کو روکنے میں مدد فراہم کرنا امریکہ کے فائدے میں ہے۔ پس ایسا نہیں کہ امریکہ خطے سے چین کو مکمل طور پر باہر کرنا چاہتا ہے کیونکہ امریکہ بہر حال یہ چاہتا ہے کہ چین خطے میں ایک سٹیک ہولڈر رہے تاہم اس کا یہ سٹیک امریکہ کی خطے کے متعلق پالیسی سے براہِ راست متصادم نہ ہو، اور چین کی یہ مداخلت اس کی طے کردہ لائنز اور حدود و قیود کے اندر رہے، جیسا کہ امریکہ یہ چاہتا ہے کہ چین افغانستان میں جاری مذاکرات کو مثبت نظر سے دیکھے اور اس کے نتیجے میں جنم لینے والے سیاسی سیٹ اَپ کو قبول کرے، کیونکہ افغانستان میں عسکریت پسندی کا ماحول بذاتِ خود افغانستان سے ملحقہ چین کے مسلم علاقوں کے داخلی امن کے لیے مسئلہ ہے۔

امریکہ کے لیے اہم ہے کہ پاکستان بدستور سیاسی سیٹ اَپ، اسلحہ، وَار کورسز اور ٹیکنالوجی کے لحاظ سے امریکہ پر منحصر رہے اور اس کی معیشت کا دارومدار بدستور امریکہ اور آئی ایم ایف جیسے اس کے تشکیل کردہ عالمی اداروں ہی پر رہے اور پاکستان کی اشرافیہ اور ان کی اولادیں امریکہ اور یورپی تہذیب سے وابستہ رہیں۔ پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں عسکری اور معاشی لحاظ سے کمزور رکھنا امریکہ کا مفاد ہے۔ اور پاکستان کے حکمرانوں کی طرف سے کوئی ایسا اقدام دکھائی نہیں دیتا کہ جس سے اس امریکی منصوبے کی خلاف ورزی نظر آتی ہو۔ پاکستان میں چین کی سرمایہ کاری اس صورتِ حال کو تبدیل نہیں کرے گی۔ سی پیک کا پاکستان کی معیشت کے لیے گیم چینجر ثابت نہ ہونا امریکہ کے حساب کتاب کے مطابق ہے۔ ایک ایسا ملک جو سیاسی، عسکری اور سٹریٹیجک و خارجہ پالیسی کے لحاظ سے امریکہ کے

کنٹرول میں ہو اور اس میں سے اس کے حریف ملک چین کی سپلائی لائن گزر رہی ہو۔ یہ اس سپلائی لائن کو vulnerable بناتا ہے۔ یہ چین کے حق میں اسی وقت فائدہ مند ہو سکتا ہے جب چین اپنے اثر ورسوخ کے لحاظ سے امریکہ کی جگہ لے لے یا اس کے لیے سنجیدہ کوشش کرے، جس کے آثار اس وقت موجود نہیں ہیں۔

اس تمام تر عالمی صورتِ حال میں پاکستان کے حکمرانوں کا طرزِ عمل کیا ہے۔ کیا وہ ایسی کوئی پالیسی رکھتے ہیں کہ وہ پاکستان کو افغانستان میں شکست خوردہ اور داخلی طور پر منقسم امریکہ کے تسلط سے نجات دلا کر اور دوسری طرف لالچی چینی استعمار سے بچا کر خود مختاری کے راستے پر ڈال سکیں اور بیرونی طاقتوں کی کاسہ لیسی کا خاتمہ کر کے خود ایک طاقت بن کر ابھریں؟ پاکستان کی خارجہ پالیسی، اگر یہ تصور بھی کر لیا جائے کہ پاکستان کی کوئی مستقل خارجہ پالیسی موجود ہے، ہمیشہ انتہائی محدود ویژن کی حامل رہی ہے۔ جس کا اہم فوکس بھارت کے مقابلے میں اپنے لیے کسی مضبوط ملک کی مدد اور حمایت حاصل کرنا اور خطے میں استعماری طاقتوں کے مفاد کو پورا کر کے اپنے لیے کچھ نرمی اور فوائد حاصل کرنا ہے۔ چین اگرچہ خطے کی ابھرتی ہوئی طاقت ہے مگر وہ امریکہ کے برخلاف، پاکستان اور بھارت کے درمیان کسی بحرانی صورتِ حال میں بھارت پر اثر انداز ہو کر پاکستان کے لیے رعایت مہیا نہیں کر سکتا۔ چین جو خود بھی امریکہ کے قائم کردہ ورلڈ آرڈر سے مفاد کی بنیاد پر مضبوطی سے منسلک ہو چکا ہے، اور افریقہ اور دیگر ممالک کے وسائل کا استحصال کر رہا ہے پاکستان کو مغربی کمپنیوں اور مغرب کے عالمی مالیاتی اداروں کے استحصال سے آزاد نہیں کر سکتا۔ سی پیک کا منصوبہ اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے میں ناکام نظر آتا ہے۔ پاکستان کے قومی مفاد کو نظر انداز کرتے ہوئے اور اپنے علاقائی مفاد مدِ نظر رکھتے ہوئے چین نے امریکہ کی طرف سے پاکستان کے خلاف ایف اے ٹی ایف کا شکنجہ کسنے کی مخالفت نہیں کی۔ اس حقیقتِ حال کے پیشِ نظر پاکستان کے حکمران پاک—چین دوستی کے عوامی دعوؤں کے باوجود اس امریکہ کی خوشنودی میں لگے رہتے ہیں جو امریکہ نواز نریندر مودی کے ذریعے بھارت پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، اگرچہ کشمیر کے اہم ترین مسئلے پر امریکہ نے اپنا وزن بھارت کے پلڑے میں ڈالا اور پاکستان کے قومی مفاد کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان مشرق یا مغرب کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنی اس اسلامی، عسکری اور جغرافیائی صلاحیت کو بروئے کار لائے جسے کوتاہ بین حکمرانوں کی وجہ سے دہائیوں سے پاکستان کے مسلمانوں کے

فائدہ کے لیے استعمال نہیں کیا گیا۔ اگر امریکہ پاکستان کی اس صلاحیت کو استعمال کر کے افغانستان میں روس کو شکست دے سکتا ہے اور پھر اسی صلاحیت کے ذریعے نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں افغانستان میں اپنی مرضی کی ڈیل حاصل کر سکتا ہے تو آخر کیوں یہ صلاحیت خطے کے مسلمانوں اور اسلام کے مفاد کے لیے بروئے کار نہیں لائی جا سکتی۔ یقیناً مجاہدین کو ایک قابض طاقت کے ساتھ سمجھوتے پر آمادہ کرنے سے یہ بات آسان ہے کہ انہیں اسلام تلے پاکستان اور افغانستان کی ہر تفریق سے پاک وحدت اور اسلام کی علاقائی اور پھر عالمی سربلندی کے 'گریٹ پلان' پر آمادہ کیا جائے۔ طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے میں امریکہ کو مدد فراہم کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پاکستان کا پھیلا ہوا اثر و رسوخ، پاکستان میں خلافت کے قیام کے نتیجے میں افغانستان اور وسط ایشیاء کو نئی سیاسی اور جغرافیائی تشکیل دے سکتا ہے اور دنیا میں طاقت کے ایک نئے مرکز کو جنم دے سکتا ہے جو تمام عالم اسلام کو اپنے اندر سموتے ہوئے عالمی منظر نامے کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اس کے لیے پاکستان کو امریکی اور چینی استعمار دونوں کو یکسر مسترد کرنے کی پالیسی اختیار کرنی ہوگی اور استعماری طاقتوں کی غلامی پر مبنی اپنے ماضی سے رشتہ توڑنا ہوگا اور ریاست کو اسلامی کی آئیڈیالوجی پر استوار کر کے اسلام کے حق میں عالم اسلام میں بیداری کی اٹھی ہوئی لہر اور علاقے کی سٹریٹیجک صورتِ حال کو درست وقت پر استعمال کرنا ہوگا۔ ایک پُر مغز سیاسی قیادت جو بین الاقوامی صورتِ حال سے آگاہی رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی آئیڈیالوجی کی بے پناہ طاقت سے آگاہی رکھتی ہو یہ کام سرانجام دے سکتی ہے۔

فہرست

کیا حساب کتاب اور قمری کیلنڈر رویتِ ہلال کا متبادل ہے؟

منعم احمد - پاکستان

سائنس میں ہونے والی ترقی اور جدت کے باعث علمِ فلکیات کے ایسے اسرار و رموز انسان پر آشکار ہو چکے ہیں، جن سے واقفیت کو ماضی میں محض ایک خواب سمجھا جاتا تھا۔ ان نئے حاصل ہونے والے علوم کے باعث انسان آج اس قابل ہے کہ وہ نہ صرف حالیہ بلکہ آنے والے کئی سالوں کیلئے بھی سورج، چاند اور دیگر سیاروں اور ستاروں کی چالوں اور حالتوں کا انتہائی درست اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کی ایک حالیہ مثال امریکی خلائی ادارے NASA کی مریخ کی طرف بھیجی گئی متعدد خود کار مشینوں کی مریخ کی سطح تک کامیاب رسائی ہے جنھیں مریخ کی سطح کے ایک چھوٹے سے حصے کا نشانہ باندھ کر زمین سے روانہ کیا گیا تھا، جبکہ ان کا مریخ تک کا سفر کئی مہینوں پر محیط تھا۔ آج فلکیات کی سائنس کی بدولت انسان انتہائی بھروسے کے ساتھ یہ جان سکتا ہے کہ آئندہ آنے والا سورج گرہن یا چاند گرہن کب اور کہاں وقوع پزیر ہو گا یا یہ کہ کسی بھی قمری مہینے کا چاند کب اور کہاں پیدا ہو گا اور اس کے نظر آنے کے امکانات کتنے ہوں گے۔

سائنس کی قابلیت سے حد درجے مرعوبیت نے مسلم دنیا میں اس بحث کو جنم دیا کہ چونکہ اب سائنس یہ معلوم کر سکتی ہے کہ ہلال پیدا ہوا یا نہیں، یا اس کے نظر آنے کے امکانات موجود ہیں یا نہیں، لہذا سائنسی حساب کتاب کو ہلال کی رویت کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اب مسلمانوں کو قمری مہینے کے آغاز کیلئے رویت کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ سائنس ہلال کی پیدائش کی متعلق قابل بھروسہ معلومات دے سکتی ہے، للہذا اس بنیاد پر ماہ رمضان کے آغاز اور یوم عید کے تعین کو فیصلہ کن طور پر نمٹایا جا سکتا ہے اور اختلاف کو رفع کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

1۔ چونکہ سائنس ایک قابل اعتبار بھروسے کے ساتھ ہلال کی پیدائش معلوم کر سکتی ہے، جو کہ اس سے پہلے صرف رویت کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتی تھی، اس لیے آج رویت کی جگہ سائنس کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جس میں ہلال کی پیدائش سے متعلق علم میں غلطی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہو چکا ہے۔

2۔ چونکہ نمازوں کی ادائیگی کے اوقات کیلئے اوقاتِ نماز کے کیلنڈر وغیرہ کا استعمال اسلام میں جائز ہے جو کہ سورج کے حساب کتاب پر مبنی ہے، یعنی عبادات میں اوقات وایام کے حساب کتاب کی اجازت ہے، اسی طرح قمری مہینوں کے آغاز کیلئے ہلال کی پیدائش اور نظر آنے کے امکان کا حساب کتاب لگانا اور اس بنیاد پر مہینے کا آغاز کرنا بھی درست ہے۔

آیئے ان نکات کو شرعی دلائل کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

بخاری، مسلم اور نسائی بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **((صوموأ لرؤيته وأفطرأ لرؤيته فان غبى عليكم فاكملو عدة شعبان ثلاثين))** یعنی **"تم لوگ اس (چاند کو) کے دیکھے جانے پر روزہ رکھو اور اس چاند کے دیکھے جانے پر روزے ختم کرو (عید) کرو اور اگر بادل چھا جائیں تو تیس دن پورے کرو"**۔ اور بخاری اور مسلم ابوہریرہؓ سے مزید روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **((إذا رأيتموه فصومو و إذا رأيتموه فانظروا فان غم عليكم فاقدرو له))** یعنی **"جب تم لوگ چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب اسے دیکھو تو افطار (عید) کرو اور اگر ابر چھا جائے تو تیس دن پورے کرو"**۔ یہ دونوں احادیث اس معاملے پر بخوبی وضاحت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث میں **(صومو)** کا حکم **(رأيتموه)** کی شرط کے ساتھ جڑا ہوا ہے، یعنی ماہِ رمضان کے آغاز/اختتام کا حکم اس وقت لاگو ہو گا جب ہلال کی رویت واقع ہو جائے۔ رویت کے علاوہ کسی دیگر عمل کے واقع ہونے کی صورت میں ماہِ رمضان کے آغاز/اختتام کا حکم لاگو نہ ہو گا، سوائے یہ کہ اس عمل کے لیے کوئی شرعی دلیل موجود ہو جو اس امر پر دلالت کرے، یعنی رویت کے علاوہ کسی دوسرے عمل کے نتیجے میں ماہِ رمضان کے آغاز/اختتام کے حکم کے لاگو ہونے پر دلیل ہو۔ امام مالک، بخاری، مسلم اور نسائی بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمرؓ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ماہِ رمضان کا ذکر کیا تو فرمایا: **((لا تصوموا حتى ترو إ الهلال ولا تفطروإ حتى تروه فان غم عليكم فاقدرو له))** یعنی **"تم لوگ روزہ نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو اور افطار (عید) نہ کرو جب تک اسے نہ دیکھ لو. اور اگر ابر چھا جائے تو تیس دن پورے کرو"**۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیثِ مبارکہ واضح طور پر ماہِ رمضان کے آغاز/اختتام کے حکم کے لاگو ہونے کی ممانعت کرتی ہے حتی کے ہلال کی رویت واقع ہو جائے۔ یہ دلائل اس امر پر واضح دلالت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو 29 تاریخ کے بعد ماہِ رمضان کے آغاز/اختتام کیلئے ہلال کی رویت کو شرط قرار دیا اور رویت واقع نہ ہو سکنے کی صورت میں مہینے کے 30 دن پورے کرنے اور اس کے بعد اگلے مہینے کے آغاز کا حکم دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث میں رویت کے علاوہ کسی اور عمل کو قمری مہینوں کے آغاز کیلئے معیار بنانے سے واضح طور پر منع فرمایا۔

اسی مناسبت سے یہ فہم حاصل کرنا ضروری ہے کہ شریعت نے ہر حکم شرعی کے لاگو ہونے کیلئے ایک سبب متعین کیا ہے جس کے واقع ہونے کی صورت میں اس حکم شرعی پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ یعنی سبب وہ وصف ہے جو سمعی دلیل کی بنیاد پر ہو جس کا موجود ہونا حکم شرعی کو لاگو کر دے جیسے صلاۃِ مغرب کی ادائیگی کیلئے سورج کا غروب ہونا اس کا سبب ہے اور صلاۃ ظہر کیلئے سورج کا زوال کر جانا اس کا سبب ہے۔ بیہقی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا، «إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ فَصَلُّوا» "جب سورج کو زوال ہو جائے تو نماز ادا کرو"۔ اسی طرح اسلامی ریاستِ خلافت کی جانب سے اقدامی جہاد کیلئے دنیا میں کفر کی ریاست اور نظام کا موجود ہونا اقدامی جہاد کے حکم کا سبب ہے، اسی طرح حدیث کے الفاظ **(صوموأ لرؤيته)** سے یہ فہم حاصل ہوتا ہے کہ تمام قمری مہینوں بشمول ماہِ رمضان کے آغاز و اختتام کیلئے شریعت کی جانب سے قرار دیا گیا سبب ہلال کی رویت (یعنی آنکھ سے نظر آجانا) ہی ہے۔ چونکہ روزہ ایک عبادت ہے اس لیے اس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بھیجی گئی شریعت میں بتائے گئے طریقہ کار کے مطابق ہی ادا کرنا لازم ہے۔ جہاں تک نمازوں کے اوقات کا تعلق ہے، جس کے ساتھ ہلال کی رویت کو جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دیگر عبادات کی طرح نمازوں کی ادائیگی کیلئے بھی سبب کا تعین کیا ہے جو سورج کے اوقات پر مبنی ہے۔ یہاں سے نمازوں اور روزوں کی ادائیگی کیلئے شریعت کے طرف سے بتائے گئے سبب میں فرق واضح ہو جاتا ہے، یعنی نمازوں کیلئے شریعت نے سورج کے اوقات کو سبب قرار دیا ہے جبکہ قمری مہینوں کے آغاز و اختتام کیلئے شریعت نے ہلال کی رویت کو سبب قرار دیا ہے۔

یہاں یہ فرق بھی ملحوظِ خاطر رکھنا بھی ضروری ہے کہ شریعت نے نمازوں کے سبب کا تعین کرتے وقت مسلمانوں کو اس امر کا پابند نہیں کیا کہ سورج کے اوقات کا علم کیسے حاصل کیا جائے، لہٰذا سورج کے اوقات معلوم

کرنے کیلئے سورج کے سائے کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، گھڑی کا استعمال کیا جاسکتا ہے، سورج کا براہ راست مشاہدہ کیا جاسکتا ہے یا کسی اور طریقہ کار کا بھی انتخاب کیا جاسکتا ہے کیونکہ شرعی پابندی سورج کے مخصوص وقت (شرعی سبب) کے واقع ہونے کی ہے نہ کہ اس ذریعے کی جو شرعی سبب (یعنی نماز کے وقت) کے واقع ہو جانے کی معلومات فراہم کردے۔اس کے برعکس قمری مہینے کے آغاز، یعنی ہلال کی رویت کیلئے متعین کردہ سبب یہ ہے کہ ہلال کو براہِ راست آنکھ سے دیکھا جائے، یعنی براہِ راست آنکھ سے ہلال کا مشاہدہ کرلیناہی ہے جو کہ قمری مہینوں کے آغاز کیلئے مقرر سبب ہے۔اس میں شریعت نے مسلمانوں کو اس امر کا پابند نہیں کیا کہ رویت کیسے کی جائے۔ لہٰذا رویت کرنے کیلئے زمین پر کھڑا ہوا جائے، یا پہاڑ پر چڑھ کر ہلال کو دیکھا جائے یا کسی اونچی عمارت کی چھت سے یہ مشاہدہ کیا جائے، فرداً فرداً دیکھا جائے یا ایک ساتھ پوراجمِ غفیر ہلال کا مشاہدہ کرے، لیکن اگر ہلال کی رویت کی بجائے کوئی دوسرا عمل کیا جائے جیسے علمِ فلکیات کو استعمال کرتے ہوئے حساب کتاب کے ذریعے ہلال کی موجودگی معلوم کرنا تو یہ عمل اپنی حقیقت کے اعتبار سے ہلال کی رویت نہیں ہے نہ ہی لفظ رویت کا اس پر اطلاق ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں رویت کے حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہے لہذا لفظ رویت کے کوئی مجازی معنی لینا بھی درست نہیں۔ چونکہ ان دونوں شرعی احکامات (نماز کا شرعی سبب اور قمری مہینے کا شرعی سبب) میں واضح فرق ہے اس لیے ہلال کی پیدائش کے حساب کتاب کو سورج کے اوقات کے حساب کتاب پر قیاس کرنادرست نہیں، کیونکہ قمری مہینوں کے آغاز کا شرعی سبب ہلال کا آنکھ سے نظر آجانا ہے نہ کہ اس کی پیدائش یا موجودگی کا معلوم ہو جانا۔

امام بخاری نے کتاب الصوم میں باب باندھا ہے لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ یعنی "ہم نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں "اور عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ، لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا يَعْنِي مَرَّةً تِسْعَةً وَعِشْرِينَ، وَمَرَّةً ثَلاَثِينَ))**

یعنی **"ہم ایک بے پڑھی لکھی قوم ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کرنا۔ مہینہ یوں ہے اور یوں ہے۔ آپ کی مراد ایک مرتبہ انیتس (دنوں سے) تھی اور ایک مرتبہ تیس سے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسوں انگلیوں سے تین بار بتلایا)"**۔ یہاں لفظ اُمی سے یہ مراد نہیں ہے کہ مسلمان ان پڑھ تھے اس معنی میں کہ وہ حساب کتاب کرنا نہ جانتے تھے. کیونکہ مسلمانوں کو تو اس وقت بھی زکوٰۃ، عشر اور میراث وغیرہ کا حکم تھا جو بغیر حساب کتاب کیسے ممکن نہ تھا۔ بلکہ اس

مسئلہ میں اُمی کہنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر 29 کو رؤیت نہ بھی ہو تو 30 کا مہینہ پورا کر لیا جائے بجائے اس کے کہ اس عمل کو حساب کتاب کی پیچیدگیوں میں الجھا کر یہ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے کہ چاند کو مطلع پر موجود ہونا بھی چاہیے یا نہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ **(إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ، لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ)** دراصل بلاغت کا انداز ہے اس بات کو زور دینے کے لیے کہ مہینے کے آغاز کے تعین کے لیے حساب نہ لگاؤ۔ لہٰذا جس معاملہ میں حساب کتاب میں نہ پڑنے کا حکم دیا جارہا ہے وہ یہ خاص رؤیت ہلال کا مسئلہ ہے۔ یوں جہاں ایک طرف قمری مہینہ کا آغاز کرنے کے لیے ہلال کی رؤیت کرنے کا باقاعدہ حکم دیا گیا ہے تو وہاں اس معاملہ میں حساب کتاب کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ماہِ رمضان کے آغاز و اختتام سے متعلق دلائل اس معاملے میں واضح ہیں کہ ماہِ رمضان کے آغاز و اختتام کا شرعی سبب ہلال کی رویت یعنی ہلال کا آنکھ سے نظر آجانا ہے، اس کی پیدائش اور عمر کی معلومات ہونا نہیں۔ یہ معاملہ شرعی طور پر نماز کے شرعی سبب سے قدرے مختلف ہے جہاں نماز کا سبب سورج کی ایک مخصوص وقت یا حالت ہے نہ کہ سورج یا اس کے سائے کو آنکھ سے دیکھنا۔ لہٰذا اگرچہ علمِ فلکیات کی بدولت آج انسان نے کائنات کے کئی راز افشا کر لیے ہیں اور فلکیات کا حساب کتاب ایک قابلِ بھروسہ نتیجہ دیتا ہے لیکن یہ کسی بھی طرح شرعی احکامات میں ردوبدل کا موجب نہیں ہو سکتا۔ روزہ ایک عبادت ہے جس کی تمام تفصیلات بشمول اس کے آغاز و اختتام کے سبب کے، ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی سے ہی ملتی ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک مقبول عبادات وہی ہیں جو اپنی تمام تر تفصیلات سمیت اللہ کے اوامر و نواہی کے مطابق انجام پاتی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے احکامات کے مطابق اپنی عبادات کرنے کی توفیق دے اور ہمارے لیے اپنے دین کے فہم کو تمام تر غیر اسلامی ملاوٹوں سے پاک رکھے۔ آمین۔

فہرست

مقبوضہ کشمیر سے ہونے والی غداری اور خطے میں ہندو ریاست کی بالادستی کے لیے راہ ہموار کرنے کی خطرناک سازش کو روکو

حزب التحریر، ولایہ پاکستان

اسلام آباد میں منعقد سیکیورٹی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے جنرل باجوہ نے کشمیر، پاکستان، بھارت اور خطے کے متعلق اپنے خیالات اور ارادوں کا محتاط الفاظ میں اظہار کیا۔ 18 مارچ 2021 کو ہونے والی اس تقریر میں جنرل باجوہ نے کہا، " بھارت اور پاکستان کے مستحکم تعلقات جنوبی اور وسطی ایشیا کی صلاحیتوں کو کھولنے کی کلید ہے۔۔۔اس مسئلے میں سب سے آگے مسئلہ کشمیر ہے۔۔۔۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ **ماضی کو دفن کیا جائے** اور آگے بڑھیں۔" ہم اس سے پہلے خطے کے متعلق جنرل مشرف کے خیالات اور ارادوں کی بدولت شدید نقصان اٹھا چکے ہوئے ہیں، لہٰذا اب اگر جنرل باجوہ کے خیالات اور ارادوں پر سخت سوالات اٹھائے جا رہے ہیں تو یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔ وہ چیز درحقیقت کیا ہے جس کو جنرل باجوہ نے دفن کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے؟ کس کے لیے مسئلہ کشمیر دردِ سر بنا ہوا ہے؟ اور کس کے لیے مسئلہ کشمیر سے نجات حاصل کرنا کیوں انتہائی ضروری ہو چکا ہے؟ کیا خطے میں ہندو ریاست کی بالادستی کے قیام کی راہ ہموار کرنے اور اسے علاقائی طاقت بنانے سے خطے میں حقیقی امن اور خوشحالی آئے گی؟

جہاں تک ماضی کو دفن کرنے کی بات ہے، تو یہ ماضی 1947 سے کشمیر کے مسلمانوں کا بھارتی قبضے کے خلاف مزاحمت اور پاکستان سے الحاق کی جدوجہد پر مبنی ہے۔ یہ وہ ماضی ہے جس میں آزادی کے فوراً بعد پاکستان کے مسلمان کشمیر کی آزادی کے لیے متحرک ہوئے اور اس کے ایک بڑے حصے کو آزاد کرانے میں کامیاب ہوئے گئے۔ اُس وقت سے آج کے دن تک ستر برس بیت گئے ہیں اور بقیہ ماندہ مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے ہزاروں مسلمانوں نے خوشی خوشی شہادت کو گلے لگایا۔ تو ہم ایسے شاندار ماضی کو کیسے بھول کر دفن کر سکتے ہیں جو ایسے اعمال سے بھرا پڑا ہے جس سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوش ہوتے ہیں؟

یقیناً مقبوضہ کشمیر کو ہندو ریاست کے مفاد میں دفن نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کے مطابق مقبوضہ اسلامی سرزمینوں کو آزاد کرانا لازم ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ **"اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔ اور فساد قتل و خونریزی سے کہیں بڑھ کر ہے"** (البقرۃ، 2:191)۔ مزید یہ کہ ہماری اللہ سے خوف کھانے والی باصلاحیت افواج اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد، ایک مخلص اسلامی قیادت اور ہماری بھرپور مدد اور دعاوں کی بدولت مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرا سکتی ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کشمیر تمام مسائل سے بڑھ کر ایک مسئلہ ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو حل کیے بغیر پاکستان اور ہندو ریاست کے درمیان امن کو یقینی نہیں بنایا جاسکتا۔ اس وقت پاکستان اور ہندو ریاست کے درمیان یقینی اور پائیدار امن کا نہ ہونا امریکا اور اس کے علاقائی اتحادی ہندو ریاست کے لیے ایک انتہائی سنگین مسئلہ ہے۔ امریکا یہ چاہتا ہے کہ پاکستان خطے میں بھارت کو طاقتور بننے کی راہ میں کوئی روکاٹ کھڑی نہ کرے بلکہ اس کے لیے راہ ہموار کرے تاکہ وہ چین اور اسلامی نشاۃ ثانیہ دونوں کے خلاف کردار ادا کر سکے۔

لہٰذا، امریکا مقبوضہ کشمیر کو دفن کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے تاکہ بھارت دو محاذوں پر جنگ کا سامنا کرنے کے انتہائی پریشان کن امکان سے بے فکر ہو جائے۔ یقیناً، لائن آف کنڑول پر وحشیانہ فائرنگ اور بمباری کو روکنے کے معاہدے کی وجہ سے ہندو ریاست کو بہت اطمینان نصیب ہوا ہے کیونکہ چین کی سرحد پر محاذ گرم ہے اور اسے پاکستان کی جانب سے مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کی کوشش کا خدشہ لاحق تھا۔ لیکن اس کے برخلاف جنرل باجوہ کی جانب سے سیز فائر کی یقین دہانی کی وجہ سے کئی دہائیوں میں یہ پہلی بار یہ ہوا کہ بھارت نے اپنی ایک اسٹرائیک کور پاکستان کی سرحد سے ہٹا کر چین کی سرحد پر منتقل کر دی جبکہ اِس دوران مقبوضہ کشمیر اور بھارت میں بسنے والے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم میں بھارت نے کوئی کمی نہیں کی۔

جنرل باجوہ سے پہلے، جنرل مشرف نے بھی ہندو ریاست کے ساتھ مکمل اور پائیدار امن اور تعلقات کے قیام کے لیے بھرپور کوشش کی تھی تاکہ امریکا کی ہدایت پر اسے خطے کی علاقائی طاقت بننے میں تعاون فراہم کیا جاسکے جبکہ وہ

اِس مقام کی کسی بھی صورت حق دار نہیں ہے۔ تعصب میں ڈوبی ہندو حکمران اشرافیہ نچلی ذات کے ہندوؤں اور اُس کی اتھارٹی میں رہنے والے اور اتھارٹی سے باہر رہنے مسلمانوں کو انصاف فراہم نہیں کرتی۔ یقیناً یہ ہندو اشرافیہ کا تعصب ہے جس نے ہمارے آباؤاجداد کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اسلام کے نام پر ایک الگ ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ اس کے علاوہ، ہندو مذہب کوئی مکمل ضابطہ حیات نہیں ہے، اور اسی لیے ہندوازم کے پیروکاروں کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ وہ اُسی سرمایہ دارانہ استعماری آرڈر کی پیروی کریں جس کی وجہ سے دولت مقامی حکمران اشرافیہ اور استعماری طاقتوں کے درمیان میں ہی گردش کرتی ہے اور پوری دنیا میں عوام کی بڑی تعداد معاشی بدحالی اور شدید غربت کا شکار ہو جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ عوام کے لیے دودھ و شہد کی نہریں یقینی بنائی جائیں، ہندو ریاست کو مراعات دینے سے اس کی حوصلہ افزائی ہو گی اور وہ اپنی تباہ کن کارروائیوں کے ذریعے پورے خطے کو ناامیدی اور مایوسی کی دلدل میں دھکیل دے گا۔

اب تک بیان کی گئی وجوہات اور اس کے علاوہ دیگر وجوہات کی بنا پر ہندو ریاست کے ساتھ تعلقات کو مسترد کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں ان لوگوں سے اتحاد کرنے سے منع فرمایا ہے جو ہمارے دین کی وجہ سے ہم سے لڑتے ہیں اور ہم سے لڑنے کے لیے دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ**﴾ **"اللہ ان ہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی۔ تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں"** (محمد، 60:9)

اے پاکستان کے مخلص مسلمانو جس میں کشمیر بھی شامل ہے! ہمیں جنرل باجوہ کی خطت سے متعلق غلط فکر اور ارادوں کو لازمی مسترد کرنا ہے، بالکل ویسے ہی جیسے ہم نے اس سے پہلے جنرل مشرف کی اس خطے سے متعلق غلط فکر اور ارادوں کو مسترد کیا تھا۔ ہم کیوں گمراہ اور باطل لوگوں کے لیے اپنے دین کی خلاف ورزی کریں اور اپنی ناقابل پامال حرمات کو قربان کریں؟ ہم معزز امت ہیں جو ایک زبردست میراث کے وارث ہے۔ یہ اسلامی میراث ہے جس کی

ابتداء خلافت راشدہ کے وقت ہوا تھا اور جس کا عروج برصغیر پاک وہند پر اسلام کا مکمل غلبہ تھا۔ یہ اسلام کی بنیاد پر حکمرانی کا دور تھا جب برصغیر پاک وہند کی معیشت کا حجم دنیا کی معیشت کے 23 فیصد کے برابر تھی جو اس وقت کے یورپ کی کل معیشت سے زیادہ تھی، اور 1700 عیسوی میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اس کی معیشت کا حجم 27 فیصد پر پہنچ گیا تھا۔ صدیوں تک اسلام کی حکمرانی نے اس خطے کے لوگوں کی خوشحالی اور سیکیورٹی کو نسل و مذہب کے امتیاز کے بغیر یقینی بنایا جس کی وجہ سے ہندوؤں سمیت تمام غیر مسلم بھی ریاست سے وفادار رہے۔ یقیناً اسلامی دور ایک سنہری دور تھا جس نے اپنی روشنی سے باقی دنیا کو بھی اپنی جانب متوجہ کیا جس کی وجہ سے لالچی استعماری طاقتیں بھی اس کی جانب متوجہ ہوئیں، اور انہوں نے یہاں فرقہ واریت کے بیج بوئے اور لوگوں کو تقسیم کر کے اپنی حکمرانی کو یقینی بنایا۔

ہمارے لیے یہ کسی بھی طرح یہ جائز نہیں کہ بیمار اور کمزور پڑتے امریکا کے مفادات کی تکمیل کے لیے ہم ہندو ریاست کو طاقتور بنانے کی راہ ہموار کریں۔ ہمارے لیے یہ کسی بھی صورت یہ جائز نہیں کہ ہم اسلامی خلافت کے قیام کی راہ ہموار کرنے کی جگہ کسی دوسرے نظامِ حکومت یا علاقائی آڈر کے نفاذ کے لیے اپنی توانائیاں خرچ کریں۔ خلافت کے قیام کے علاوہ کوئی بھی عمل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو راضی نہیں کرے گا، نا ہی ہمیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد و نصرت کا حق دار بنائے گا اور نا ہی رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں کو پورا کرنے کا باعث بنے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ»** **"پھر جبر کی حکمرانی ہو گی، اور اُس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر اللہ جب چاہے گا اسے ختم کر دے گا۔ پھر اس کے بعد نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہو گی" اس کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے** (احمد)۔ لہٰذا آئیں، آگے بڑھیں کہ یہ رمضان خلافت کے دوبارہ قیام، مقبوضہ کشمیر کی آزادی اور اسلام کی بالادستی کی بحالی کے لیے ہماری جدوجہد کا مشاہدہ کرے۔

اے افواجِ پاکستان میں موجود مسلمانو، سعد بن معاذؓ کے وفادار بیٹو! اسلام کے پہلے فوجی کمانڈر، رسول اللہ ﷺ، کے نقشِ قدم پر چلیں، جنہوں نے یہ فرمایا، **لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ**

"اللہ عزوجل کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے" (احمد)۔ یقیناً ہمارا رب، اللہ سبحانہ وتعالیٰ، آج کے مشرف، جنرل باجوہ کے احکامات ماننے پر آپ کی کسی دلیل کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ باجوہ کے احکامات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی پر مبنی ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے دور کے اپنے بھائیوں، انصار کے جنگجوؤں، کے نقش قدم پر چلیں۔ انصار نے نصرۃ دے کر اسلام کو ایک ریاست کی شکل دی اور عبداللہ بن ابی کو گمراہی پر مبنی اپنی قیادت اور حکمرانی کے قیام سے روک دیا تھا۔

انصار کے فوجی کمانڈر سعد بن معاذؓ جیسے فوجی کمانڈر بن جائیں۔ غزوہ بدر سے قبل 2 ہجری کے رمضان میں جب رسول اللہ ﷺ نے مشورہ مانگا تو سعد بن معاذؓ نے جواب دیا، **فوالذي بعثك بالحق، إن استعرضت بنا هذا البحر فخضته لخضناه معك، ما يتخلّف منا رجلٌ واحدٌ، وما نكره أن تلقى بنا عدونا غداً، إنّا لصُبُرٌ في الحرب، صُدُقٌ عند اللقاء، ولعل الله يريك منا ما تقرّ به عينك، فَسِر بنا على بركة الله "اللہ کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ﷺ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کود پڑیں گے اور ہم میں سے کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم دشمن کا مقابلہ کرنے سے نفرت نہیں کرتے ہیں۔ ہم جنگ میں تجربہ کار ہیں اور ہم لڑائی میں قابل اعتماد ہیں۔ ممکن ہے اللہ آپ ﷺ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے جس سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ اللہ کی رحمت کے ساتھ برائے مہربانی ہمیں میدان جنگ میں لے چلیں۔"**

کیا فوج کے کسی فرزند کے لیے اس سے بہتر کوئی تمنا ہو سکتی ہے کہ اسے سعد بن معاذؓ جیسی باسعادت زندگی اور ان جیسی ہی اعلیٰ موت حاصل ہو جائے، جنہوں نے اسلام کو نظامِ حکمرانی اور ریاست کے طور پر قائم کرنے کے لیے نُصرۃ فراہم کی تھی اور پھر غزوۂ بدر میں دشمن کو شکست دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا؟ اُن سے بہتر زندگی کیا ہو گی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کو سعد بن معاذؓ کے جنازے میں شرکت کے لیے نازل کیا؟ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذؓ کے جنازے کے متعلق خبر دی، «**إِنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَتْ تَحْمِلُهُ**» **"فرشتے اسے اٹھائے ہوئے تھے"** (ترمذی)۔ کیسے کسی کی زندگی اُن سے بہتر ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عرش سعد بن معاذؓ کی روح کے استقبال کی خوشی میں کانپ اٹھا؟ جب سعدؓ کی وفات ہوئی اور ان کی والدہ رونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے

فرمایا،«**لِيَرْقَأْ - لينقطع - دَمْعُكِ وَيَذْهَبْ حُزْنُكِ لِأَنَّ ابْنَكِ أَوَّلُ مَنْ ضَحِكَ اللَّهُ إِلَيْهِ وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ**» **"آپ کے آنسو تھم جائیں اور آپ کا غم ہلکا ہو جائے اگر آپ یہ جان لیں کہ آپ کا بیٹا وہ پہلا شخص ہے جس کے لیے اللہ مسکرائے اور اللہ کا عرش ان کے لیے کانپ اٹھا"** (طبرانی)۔ تو یہ رمضان خلافت کے دوبارہ قیام کے لئے آپ کے نصرۃ کا مشاہدہ کرے، اور اس کے بعد آپ فتح یا شہادت کے حصول کے لیے ہمارے دشمنوں کا مقابلہ کریں!

20 شعبان 1442 ہجری — **حزب التحریر**

2 اپریل 2021ء — **ولایہ پاکستان**

فہرست

مغرب کی عورت

مشتاق محمود-پاکستان

مغرب میں صدیوں تک عورت کو مرد سے کمتر سمجھا جاتا رہا ہے۔ عورت کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ روح تک نہیں رکھتی۔ معاشرے کی ترقی میں ان کے کردار کا انکار کیا جاتا رہا۔ عورتوں کو تعلیم کی خواہش رکھنے پر گرفتار کیا جاتا تھا ۔ مغرب کی عورت کو اپنے بنیادی ترین حقوق کے حصول کے لیے بھی بہت قربانیاں دینی پڑیں اور بہت سی معاشرتی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اس کی ایک مثال انتخابات میں ووٹ دینے جیسے ایک بنیادی حق کی ہے جس کے لیے عورتوں نے سفرا گیٹ(Suffragette) نام کی ایک تحریک کا آغاز کیا گیا۔ یہ تحریک صرف عورتوں پر مشتمل تھی جسے برطانیہ سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون "ایمیلین پینک ہرسٹ" (Emmeline Pankhurst) کو 1903ء میں اس برطانیہ میں برپا کرنا پڑا جس کو سیاسی انقلاب کے ذریعے بادشاہت و پاپائیت سے چھٹکارہ حاصل کیے اور جمہوریت کو اپنائے ہوئے کم و بیش 250 سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اسی طرح برطانیہ میں 1882ء میں اپنی طرز کا پہلا قانون " میریڈ ویمین پراپرٹی ایکٹ"(Married Women Property Act) کے نام سے پاس کیا گیا جس کے بعد سے ایک شادی شدہ عورت کو جائداد اور وراثت کا مالک بننے کا حق حاصل ہوا جبکہ اس سے پہلے یہ حق صرف اس کے شوہر کو حاصل تھا۔ لیکن شروع میں اس نئے قانون کا اطلاق بھی ایک نہایت محدود پیمانے پر تھا یہاں تک کہ اس وقت خود پوری برٹش ریاست پر اس کا اطلاق نہ تھا مثلاً ا موجودہ اسکاٹ لینڈ کی عورتیں اس حق سے محروم تھیں۔ اور برٹش ایمپائر کی نوآبادیات (colonies) میں بسنے والی عورتوں کو تو ویسے ہی ایسے کسی حق کے قابل نہ سمجھا گیا تھا۔

جبکہ مسلم دنیا میں معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا جہاں عورتیں علم، تحقیق اور عمل کی دنیا میں مردوں کے شانہ بشانہ تھیں اور ریاستی مشینری کا حصہ بھی تھیں ۔ ام درداءؓ ایک صحابیہ تھیں جو علم حدیث اور علم فقہ میں نمایاں مقام رکھتی تھیں اور ان علوم میں باقاعدہ دروس منعقد کیا کرتی تھیں۔ وہ اسلامی ریاست کی جانب سے دمشق میں بطور قاضی مامور رہیں۔ ان کے شاگردوں میں عبدالملک بن مروان بن الحکم بھی شامل تھے جو بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ بنے۔ اسی

طرح تابعین کی جماعت میں حفصہ بنت سیرینؒ نے فقہ کے علم میں بہت شہرت پائی۔ وہ مشہور تابعی محمد ابن سیرین کی بڑی بہن تھیں جو علم الرویاء میں ایک مستند ترین حوالہ گردانے جاتے ہیں۔ جہاں تک دنیاوی علوم کی بات ہے تو فاطمہ الفہری وہ خاتون تھیں جنہوں نے 244ھ میں مراکش میں دنیا کی سب سے پہلی یونیورسٹی قائم کی۔ جامعۃ القرویین (University of Qarawiyyin) نامی اس یونیورسٹی میں قرآنی علوم ، عربی لغت، ریاضی (mathematics)، طب (medicine) اور فلکیات (astronomy) جیسے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ یہ یونیورسٹی آج بھی قائم ودائم ہے۔ اسی طرح مریم الاسطرلابی کی تحقیق نے سمت کا پتہ لگانے والے آلات مثلاً ستارہ یاب (astrolabe) وغیرہ کی ترقی میں خاطر خواہ مدد فراہم کی۔ وہ 350ھ میں شام میں قائم امارت حلب کے امیر سیف الدولہ کے دور حکومت میں باقاعدہ ملازمت پیشہ اور تنخواہ دار تھیں یعنی ایک ورکنگ ویمین (working woman) تھیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی خواتین کے ان گنت حوالے موجود ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب مغرب میں مرد وزن سب جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے جبکہ مسلم خواتین علم و عمل کی دنیا میں معرکے سر انجام دے رہی تھیں۔

آج سے صرف 150 سال قبل جو مغرب کی عورت اپنے لیے جائداد اور وراثت کے حقوق کے لیے سڑکوں پر سراپا احتجاج تھی تو اسلام نے عورت کو 1400 سال پہلے ہی وراثت اور جائداد کا حق دے دیا تھا۔ اسی طرح آج سے صرف 100 سال قبل جب مغرب کی عورت ریاست میں اپنی قبولیت کی جنگ لڑ رہی تھی، مسلمانوں میں عورت 1000 سال قبل ریاست کی حفاظت کی جنگ تلوار سے لڑ رہی تھی۔ ایک طرف مغرب کی عورت کو کام کرنے کا حق حاصل کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کرنا پڑی، تو دوسری جانب اسلام نے اسے پہلے سے ہی کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا۔

مغرب کے اس گھٹن زدہ اور عورتوں کے ساتھ ظلم پر مبنی ماحول میں مغرب کی عورت نے جب اپنے حقوق کی جنگیں لڑیں تو اس نے ان زیادتیوں کے رد عمل کے طور پر "آزادی" (freedom) اور "جنسی مساوات" (gender equality) جیسے نعروں کو بلند کیا۔ لیکن ان نعروں نے اس کی مشکلات کا خاتمہ کرنے کی بجائے ان

میں مزید اضافہ کیا۔آزادئ نسواں کے نعرے نے عورت کو آزاد کرنے کی بجائے الٹا مرد کو اس معاملہ میں آزاد کر دیا کہ وہ عورت اور اس کے پیدا کردہ بچوں کی مستقل ذمہ داری کو اٹھائے بغیر اسے اپنی جنسی تسکین کے لئے استعمال کرتا رہے۔ جبکہ اسلام میں شادی کے بندھن میں جڑے بغیر اور پیدا ہونے والے بچوں کی ذمہ داری اٹھائے بغیر ایک مرد کو کسی عورت سے جنسی تسکین پوری کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔ لہٰذا اسلام نے عورت کے حقوق کے تحفظ کی خاطر مرد پر چند پابندیاں عائد کیں ہیں۔ پھر جنسی مساوات کے نعرے نے عورت پر خود کمانے کی ایک اضافی ذمہ داری عائد کی جبکہ بچے پالنے کی ذمہ داری اس پر پہلے سے ہی موجود تھی۔ لہٰذا اس نعرے نے عورت کی ذمہ داریوں کو مرد کی ذمہ داریوں کے برابر لانے کی بجائے عورت پر مرد کے مقابلے میں دوہری ذمہ داری عائد کی۔اس کے برعکس اسلام کی رو سے عورت بنیادی طور پر گھر کے امور کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش کی ذمہ دار ہے جبکہ ذریعۂ معاش کے لیے کام کرنا اس کی مرضی پر منحصر ہے۔اور مرد کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گھر کی معاشی ضروریات کو پورا کرے۔یوں دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور اسلامی نظام کے تحت ایک منفرد معاشرہ تخلیق پاتا ہے۔کردار کی یہ تقسیم کسی ایک کو دوسرے سے اعلیٰ یا ادنیٰ نہیں بناتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو برتر صرف وہ ہے جو زیادہ متقی و پرہیز گار ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

مغرب کی عورت نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے "آزادی" اور " جنسی مساوات" کے جن باطل تصورات کو اختیار کیا اس نے عورت کا مزید استحصال کیا اور اسے مغرب کے موجودہ نام نہاد ترقی یافتہ معاشروں میں بھی MeToo سے بڑھ کر کچھ حاصل نہ ہو پایا۔ایسا اس لیے ہوا کیونکہ انسان کی عقل معاشرے میں مرد اور عورت کے حقوق و فرائض کا درست اعتبار سے تعین اور احاطہ کرنے کے معاملہ میں محدود ہے۔ معاشرے میں مرد و عورت کے کردار کے درست توازن کا علم صرف اس ہستی کو ہو سکتا ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو محض تخلیق ہی نہیں کیا بلکہ ان کے لئے مخصوص کردار کا تعین بھی کر دیا ہے اور اس معاملہ کو انسان کی ناقص عقل پر نہیں چھوڑا کہ وہ بھٹکتا پھرے اور صرف اسی عدم تعین کی وجہ سے استحصال کا شکار ہوتا رہے۔

موجودہ نظام "عورت مارچ" جیسی سرگرمیوں کی اجازت دے کر پاکستان کے مسلمانوں کو بھی مغرب کی ڈگر پر چلانا چاہتا ہے، جس نے انسان کی فطرت کو مسخ کر کے معاشرے کو "آزادیوں" پر استوار کرنے کی کوشش کی اور معاشرے کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ جبکہ انسان کی فطری حیثیت یہ نہیں کہ وہ آزاد ہے جیسا کہ مغرب پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر انسان کو اس جبلت کے ساتھ پیدا کیا ہے کہ وہ رشتوں کی ذمہ داریوں کا احساس کرتا ہے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

آج مسلم معاشروں میں عورتوں کو درپیش مسائل کی وجہ اسلام کے احکامات نہیں بلکہ مغرب کا عطا کردہ "آزادیوں" پر مبنی بوسیدہ اور غیر فعال سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ اور اس کا حل مغرب کی نقالی کرنا نہیں کہ جہاں معاشرہ اور خاندان اطمینان اور حقیقی خوشی کی دولت سے محروم ہیں، جہاں خاندانی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، چرس، کوکین اور دیگر منشیات سب سے زیادہ استعمال کی جانے والی ڈرگز ہیں اور ڈپریشن کی شرح آسمان کو چھو رہی ہے۔ بلکہ اسلام کے معاشرتی احکامات کا نفاذ ہی ایک پاکیزہ اور مہذب معاشرے کو جنم دے سکتا ہے جہاں عورت کی شناخت ایک عفت و آبرو اور فعال شہری کی ہوتی ہے، اسے کاروباری شے کے طور پر نہیں دیکھا جاتا اور مرد و عورت دونوں اپنی تمام جسمانی اور جبلی ضروریات کو شرعی حدود و قیود میں رہتے ہوئے پورا کر پاتے ہیں۔

فہرست

سوال وجواب: رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ "میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی" کی تشریح

(عربی سے ترجمہ)

سائل: عبداللہ عمر، افغانستان

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہمارے شیخ مکرم، اللہ آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے، میرا نام عبد اللہ ہے، افغانستان سے ہوں، میرا سوال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **((ستنقسم امتی الیٰ ثلاثۃ و سبعین فرقۃ و کلھا فی النار ماعدا واحدا)) "میرے امت 73 فرقوں میں تقسیم ہو گی، سب جہنم میں ہیں سوائے ایک کے"۔**

براہِ کرم اس حدیث کی تشریح کر دیں۔

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پہلی بات: جس حدیث کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے اس کے الفاظ وہ نہیں جو آپ نے سوال میں ذکر کیے ہیں، ہم نے اس سے پہلے بھی 24 ربیع الثانی 1439ھ بمطابق 11 جنوری 2018 کو جاری کردہ سوال وجواب میں اس حدیث شریف پر بحث کی تھی، اس کی مختلف روایات بیان کی تھیں، جن میں کچھ روایات میں مختلف اضافے بھی ہیں، پھر اس جواب کے آخر میں ہم نے جو خلاصہ بیان کیا تھا وہ یہ تھا کہ:

[73 فرقوں میں اُمّت کے تقسیم ہو جانے سے متعلق حدیث کے الفاظ (**الیٰ ثلاث و سبعین فرقة)"73فرقوں میں تقسیم ہو گی"**،تک تو صحیح ہیں،یعنی جس میں مزید الفاظ کا اضافہ موجود نہیں،ان الفاظ کے بعد پہلا اضافہ یعنی **(کلھا فی النار الا واحدة)"سب جہنم میں ہیں سوائے ایک کے"**،اس کو اکثر محدثین نے حسن قرار دیا ہے،جبکہ دوسرا اضافہ **(کلھا فی الجنة الا واحدة)"سب جنت میں ہیں سوائے ایک کے"**،اس کو بہت زیادہ محدثین نے ضعیف کہا ہے، محدثین کی کم تعداد نے اس کو صحیح یا حسن کہا ہے۔ لہذا اُصولِ حدیث کے پیش نظر میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ پہلا اضافہ **(کلھا فی النار الا واحدة)"سب جہنم میں ہیں سوائے ایک کے"**،کو تو لیا جائے گا جبکہ دوسرے اضافے **(کلھا فی الجنة الا واحدة)"سب جنت میں ہیں سوائے ایک کے"**،کو نہیں لیا جائے گا۔ یہ ان روایات کے حوالے سے ہے جن میں دونوں اضافے موجود ہیں۔]

مذکورہ سوال وجواب میں ہم نے جو ذکر کیا ہے،اس کی بناپر کچھ روایات جن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے،جو قابل استدلال ہیں،وہ یہ ہیں:

ترمذیؒ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے **((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ:تَفَرَّقَتْ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ أَوْ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً وَالنَّصَارَى مِثْلَ ذَلِكَ وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً»، وَفِي الْبَاب عَنْ سَعْدٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ))"ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: یہود 71 یا72 فرقوں میں بٹ گئے،عیسائی بھی اتنے ہی فرقوں میں بٹ گئے،اور میری امت 73فرقوں میں بٹے گی"**۔اسی باب میں سعدؓ، عبد اللہ بن عمروؓ اور عوف بن مالکؓ سے بھی روایات موجود ہیں،ابو عیسیٰ کہتے ہیں: ابو ہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ ترمذیؒ نے ایک اور روایت میں عبد اللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا: **((وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ**

هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي))"اور بے شک بنی اسرائیل 72 فرقوں میں تقسیم ہو گئے، میری اُمّت 73 فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ایک کے سوا سب فرقے جہنم میں ہوں گے، صحابہؓ نے عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ ! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں"۔ ابو عیسیٰ (ترمذی) کہتے ہیں، یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حاکم نے مستدرک علی الصحیحین میں روایت نقل کی ہے:((عَنْ أَبِي عَامِرٍ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ لُحَيٍّ، قَالَ: حَجَجْنَا مَعَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ... ثُمَّ قَامَ حِينَ صَلَّى الظُّهْرَ بِمَكَّةَ، فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ تَفَرَّقُوا فِي دِينِهِمْ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ هَذِهِ الْأُمَّةُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً وَهِيَ الْجَمَاعَةُ))"ابو عامر عبداللہ بن لُحیّ سے روایت ہے کہ: ہم نے معاویہ بن ابی سفیانؓ کے ساتھ حج کیا، پھر جب معاویہؓ مکہ میں ظہر کی نماز پڑھ چکے تو وہ کھڑے ہو گئے اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اپنے دین میں 72 فرقوں میں بٹ گئے، اور یہ امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، یہ سب جہنم میں ہوں گے، سوائے ایک فرقے کے، یہی فرقہ الجماعت ہے"۔ حاکم کہتے ہیں: یہ تمام اسناد اس حدیث کو صحیح قرار دینے میں حجت ہیں۔ اس میں امام ذہبی بھی ان سے متفق ہیں۔ ابو داؤد نے اپنی سنن میں اور ابن ماجہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

دوسری بات: ہمارے نزدیک اس حدیث کا راجح مطلب یہ ہے کہ:

1 - شریعت میں انتشار اور تفرقہ جیسے الفاظ کا استعمال اکثر عقیدے، اُصولِ دین، قطعی اور واضح اُمور میں اختلاف میں ہوا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ "ان لوگوں کی طرح مت ہو جو متفرق ہو گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام آئے انہوں نے اختلاف کیا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے"(آلِ عمران: 105)۔ اور ارشاد ہے: ﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ "اور اہلِ کتاب نے جو

اختلاف (تَفَرَّقَ) کیا تو واضح دلیل آنے کے بعد" (البینہ:4)۔ اور ارشاد ہے ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْياً بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ "بے شک دین اللہ کے ہاں فرمانبرداری ہی ہے اور جنہیں کتاب دی گئی تھی انہوں نے صحیح علم ہونے کے بعد آپس کی ضد کے باعث اختلاف کیا اور جو شخص اللہ کے حکموں کا انکار کرے تو اللہ جلد ہی حساب لینے والا ہے" (آلِ عمران:19)۔ اور ارشاد ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ **"جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے (فَرَّقُوا) کر دیا اور کئی جماعتیں بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہی انہیں بتلائے گا جو کچھ وہ کرتے تھے"** (الانعام:159)۔

2-**الجماعة** : کا لفظ جو یہاں ان احادیث میں آیا ہے، اس کا اطلاق شریعت میں مسلمانوں کی جماعت پر کیا جاتا ہے، جو اسلامی عقیدے پر اکٹھی ہوئی ہو، شرعی نصوص سے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں، اس بارے میں متفق علیہ احادیث وارد ہیں۔ عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ)) **"کوئی بھی مسلمان جو یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون صرف ان تین وجوہات کے باعث حلال ہے؛ شادی شدہ ہو اور زنا کرے، قتل کے قصاص میں قتل کیا جائے اور دین کو چھوڑنے والا، الجماعۃ سے الگ ہونے والا ہو"**۔ یہ مسلم سے روایت ہے۔ اس حدیث شریف میں نبی ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ جماعت سے الگ ہونا دین سے خروج ہے اور دین چھوڑنا ہے، کیونکہ دین چھوڑنے والا اس کو کہا گیا ہے جو جماعت سے الگ ہو جائے۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفر کرنا اور دین و ملت سے خروج ہی جماعت سے علیحدگی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں کہا ہے: ((قوله: وَالْمُفَارِقُ لِدِينِهِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ كَذَا فِي رِوَايَةِ أَبِي ذَرٍّ عَنِ الْكُشْمِيهَنِيِّ وَلِلْبَاقِينَ وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّينِ لَكِنْ

عِنْدَ النَّسَفِيِّ وَالسَّرَخْسِيِّ وَالْمُسْتَمْلِي وَالْمَارِقُ لِدِينِهِ قَالَ الطِّيبِيُّ الْمَارِقُ لِدِينِهِ هُوَ التَّارِكُ لَهُ مِنَ الْمُرُوقِ وَهُوَ الْخُرُوجُ وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ وَلَهُ فِي رِوَايَةِ الثَّوْرِيِّ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ... وَالْمُرَادُ بِالْجَمَاعَةِ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ أَيْ فَارَقَهُمْ أَوْ تَرَكَهُمْ بِالِارْتِدَادِ فَهِيَ صِفَةٌ لِلتَّارِكِ أَوِ الْمُفَارِقِ...وَقَالَ الْبَيْضَاوِيُّ التَّارِكُ لِدِينِهِ صِفَةٌ مُؤَكِّدَةٌ لِلْمَارِقِ أَيِ الَّذِي تَرَكَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَخَرَجَ مِنْ جُمْلَتِهِمْ...))"

آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ : دین سے الگ ہونے والا جماعت کو چھوڑنے والا، اسی طرح کے الفاظ کُشمِیھَنی کی روایت میں ابو ذرؓ سے منقول ہیں۔ باقیوں نے **وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّينِ** کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، یعنی دین سے پار نکل جانے والا، لیکن نسفی، سرخسی اور مستملی کے نزدیک یہ حدیث وَ الْمَارِقُ لِدِینِہٖ کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔اس کے معنی خروج (نکلنے) کے ہیں، مسلم کی ایک روایت میں وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ آیا ہے۔الثوری کی روایت میں الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ کے الفاظ ہیں،اور جماعت سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمانوں سے الگ ہو جائے یا مرتد ہو کر ان کو چھوڑ دے، یہی چھوڑنے اور الگ ہونے والے کی صفت ہے، بیضاوی نے کہا ہے: التارک لدینہٖ المارق کے لیے صفت موکدہ ہے، یعنی المارق التارک ہی کے معنی میں ہے، یعنی جو مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر ان کے درمیان سے نکل جائے"۔

3-اس حدیث کی مختلف روایات میں حضور ﷺ کا یہ قول مبارک کہ **«وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي»"میری امت متفرق ہو جائے گی"**،**«وَتَفترِقُ هَذِهِ الْأُمَّةُ»"یہ امت متفرق ہو جائے گی"**، **«وَإِنَّ هَذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ»"یہ عقیدہ متفرق ہو جائے گا"**،اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں اُمّت یا ملت سے مراد اُمتِ مسلمہ ہی ہے، جو دین اسلام پر ایمان لا چکی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روایت میں امت کی نسبت اپنی طرف کی ہے، یعنی **« أُمَّتِي»"میری امت"**، فرمایا ہے، بعض روایات میں آپ ﷺ نے اس کی پہچان کرائی ہے کہ اس سے **«هَذِهِ الْأُمَّةِ»"یہ امت"**،**«وهَذِهِ الْمِلَّةَ»"یہ عقیدہ"**، مراد ہے۔اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حدیث مخصوص امت اور مخصوص ملت کے بارے میں ہے،اور وہ امتِ مسلمہ ہے۔

4-جیسا کہ معلوم ہے کہ اسلام میں کچھ اختلافات مذموم بھی ہیں اور کچھ ممدوح بھی ہیں ۔ ممدوح اختلاف (جس کی تعریف کی گئی ہے) اجتہادی مسائل میں اختلاف ہے، جس کی بنیاد نصوص کی سمجھ میں اختلاف پر ہے، اور درست اجتہاد کرنے والے کے لیے اس میں دو اجر ہیں، غلطی کرنے والے کو بھی بہر حال ایک اجر ملتا ہے جیسا کہ صحیح امام بخاری میں روایت کردہ حدیث میں وارد ہے کہ عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا: **((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ)) "جب فیصلہ کرنے والا کوئی فیصلہ کرے اور وہ (درست سمجھ تک رسائی کے لیے) اجتہاد کرے (کوشش میں حد کر دے) پھر وہ درست رائے تک پہنچ جائے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور جب وہ فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے پھر (حکم دینے میں) اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے"**۔ اور مذموم اختلاف جیسے عقیدے میں اختلاف، بینات یعنی واضح دلائل اور قطعیات میں اختلاف، یہی وہ اختلاف ہے جو اختلاف کرنے والے کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اس کی ایک اور قسم وہ اختلاف ہے جو خواہش نفس پر مبنی ہو، جیسے اُن اہلِ بدعت کا اختلاف جو اپنی بدعت سے انکار نہیں کرتے، یا پھر امام یعنی حاکم وقت یا اس کی اطاعت پر اختلاف بھی مذموم اختلاف ہے، اسی طرح اور اختلاف ہیں جو مذموم ہونے کے باوجود اختلاف کرنے والے کو اسلام سے خارج نہیں کرتے۔

تیسری بات: مذکورہ بالا نکات کو مد نظر رکھ ہم یہود و نصاریٰ اور امت کے انتشار و تفریق سے متعلق مذکورہ حدیث شریف کو سمجھ سکتے ہیں، اور اس کی تفصیل یوں ہے:

1- اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دینِ حق دے کر بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا، ان پر کچھ لوگ ایمان لے آئے اور توحید کے سچے عقیدے پر اکٹھے ہو کر ان کا ساتھ دیا، چنانچہ وہ ایک ہی ملت بن گئے، مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس ملت سے کچھ گروہ الگ ہو گئے جنہوں نے توحید پر ایمان رکھنے والی ملت سے دین میں اختلاف کیا؛ جیسا کہ حدیث میں ہے **((إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ تَفَرَّقُوا فِي دِينِهِمْ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً)) "بے شک اہل کتاب دین میں 72 فرقوں میں بٹ گئے"**۔ سو انہوں نے عقیدے، واضح دلائل اور دینِ موسیٰ

کے قطعی و یقینی تصورات میں صحیح عقیدے والوں سے اختلاف کیا، یوں وہ موسیٰ کے دین سے نکل گئے اور کافر ہوئے، جو فرقے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین سے پھر گئے اور اصل دین سے اختلاف کرنے کے باعث مستقل ملتوں کی شکل اختیار کر گئے **((إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ تَفَرَّقُوا فِي دِينِهِمْ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً))" بے شک اہل کتاب دین میں 72 فرقوں میں بٹ گئے"**، ان کی تعداد 70 یا 71 فرقوں تک پہنچ گئی، یہ سب کفریہ ملتیں ہیں اور جہنمی فرقے ہیں، جبکہ دین موسیٰ پر برقرار رہنے والی ملت جو 71 ویں یا 72 ویں ملت تھی، وہ اہل حق اور جنتی ہے، اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکاروں میں سے یہی فرقہ ناجیہ کہلایا۔

2- اس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو دین حق دے کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا، چنانچہ ان پر بھی کچھ لوگ ایمان لے آئے اور توحید کے حق اور سچے عقیدے پر ان کے ساتھ متفق ہو گئے، یوں وہ لوگ ملتِ واحدہ اور ملتِ مومنہ بن گئے۔ لیکن وقت کے ساتھ اس ملت سے نکل کر مختلف گروہ بن گئے، یعنی پہلی امت مومنہ سے انہوں نے دین میں اختلاف کیا، چنانچہ اُنہوں نے عقیدے، بینات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے قطعی افکار میں سے اپنا جدا راستہ اپنایا، یوں وہ ان کے دین سے نکل گئے اور کفار بن گئے، فرقوں کی تعداد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے نکلے اور حضرت عیسیٰ کی ملت سے اختلاف رائے کی وجہ سے علیحدہ ملتیں بن گئے، ان کی تعداد 71 فرقوں تک پہنچی، یہ سب کفریہ ملتیں ہیں اور جہنم والوں میں سے ہیں، وہ ملت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر برقرار رہی تھی، 72 واں فرقہ ہے وہ اہلِ حق اور اہلِ جنت میں سے ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں میں سے یہی فرقہ ناجیہ ہے۔

3- پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو دین حق اور عقیدہ توحید کے ساتھ بھیجا، پھر ان پر مسلمان ایمان لے آئے اور جس عقیدے پر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کا ایمان تھا، بعینہٖ وہی عقیدہ اختیار کر لیا، اس طرح اس اجتماعی عقیدے کی وجہ سے وہ امت مسلمہ کہلائے یا ملت اسلامیہ اور الجماعت کہلائے۔ لیکن دین محمدی ﷺ سے کچھ قومیں نکل گئیں (اور مزید نکلیں گی) اور جس عقیدے، قطعی نصوص اور بینات پر نبی ﷺ، صحابہ کرام اور مسلمان تھے ان سے الگ ہو گئیں

(مزید الگ ہوں گی)۔ یہ جتنے لوگ الگ ہوئے ہر ایک فرقہ بن گیا اور ملت اسلامیہ سے جدا فرقہ بن گیا، کیونکہ وہ اسلامی عقیدے کے مخالف عقائد پر ایمان لے آئے۔ یہ فرقے جن کے پیروکار مسلمان تھے پھر اسلام سے خارج ہو گئے، 72 فرقے یا عقائد بنے، یا بنیں گے یہ سب کافر فرقے ہیں اور اہلِ جہنم میں سے ہیں، ایک فرقہ جو 73 واں فرقہ ہے جو اصل فرقہ ہے، یعنی جسے الجماعت اور ملت اسلامیہ کہا جاتا ہے، جس کا نبی ﷺ اور صحابہؓ کے عقائد پر ایمان ہے، جو اسلام کی قطعی نصوص اور بینات پر پکا ایمان رکھتے ہیں اور یہی مسلم امت کہلاتا ہے، جن کا اللہ تعالیٰ، فرشتوں، اللہ کی کتابوں، پیغمبروں اور قیامت کے دن، قضا و قدر اور اس میں خیر و شر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان ہے، یہی اسلام کی امت ہے جو کامیاب فرقہ ہے اور جو اہل جنت میں سے ہے، تو یہی وہ فرقہ اور ملت ہے جو نبی ﷺ اور صحابہؓ کے عقیدے پر متفق ہے اور الجماعت ہے۔

چوتھی بات: حدیث کی اس تشریح اور اس کی حقیقت کے مطابق ہم اس کا خلاصہ یوں بیان کر سکتے ہیں کہ:

1- کامیاب فرقہ (فرقہ ناجیہ) ہی اپنے عمومی مفہوم میں مسلم امت ہے، جو اسلامی عقیدے اور دین کے قطعیات و بینات پر اکٹھی ہو گئی ہے، خواہ اس کو ماننے والوں کی آرا، افکار اور مذاہب میں عقیدے سے نکلنے والے فروعی مسائل اور احکامِ شریعت میں اختلافات ہوں، اس کی نجات اور جنتی ہونے کا سبب اسلامی عقیدے، اس کے قطعیات اور واضح دلائل (بینات) پر اس کا ایمان ہے، اس بنا پر:

ا۔ پس اہل سنت والجماعت کے اشعری و ماتریدی متکلمین اور دیگر کلامی مذاہب و مسالک، اسی طرح سلفی کہلانے والے، اہلِ حدیث اور ان کے علاوہ دیگر اسلامی فکری مذاہب اور اصحابِ اقوال؛ سب کے سب فرقہ ناجیہ والوں میں سے ہیں، ان شاءاللہ! کیونکہ یہ سب محمد ﷺ کے پیروکار ہیں، اسلامی عقیدے اور اس کے قطعیات و بینات پر ایمان لانے والے ہیں، ان کے درمیان موجود اختلافات ان کو اسلام سے نہیں نکالتے۔

ب۔ مختلف فقہی مذاہب جیسے احناف، مالکی، شافعی اور حنبلی اور دوسرے فقہی مذاہب اور مختلف مجتہدین کے پیروکار، سب فرقہ ناجیہ والے ہیں ان شاءاللہ ! کیونکہ یہ سب محمد ﷺ کے پیروکار ہیں، اسلامی عقیدے اور اس کے قطعیات وبینات پر ایمان لانے والے ہیں، ان کے درمیان موجود اختلافات ان کو اسلام سے نہیں نکالتے۔

ج۔ اسلامی جماعتیں، تحریکات اور تنظیمیں جو ہمارے اس دور میں میدان عمل میں ہیں، جیسے حزب التحریر، اخوان المسلمون، تبلیغی جماعت والے، جہادی تنظیمیں، سلفی جماعتیں، وغیرہ، سب فرقہ ناجیہ ہیں ان شاءاللہ ! کیونکہ یہ سب محمد ﷺ کے پیروکار ہیں، اسلامی عقیدے اور اس کے قطعیات وبینات پر ایمان لانے والے ہیں، ان کے درمیان موجود اختلافات ان کو اسلام سے نہیں نکالتے۔

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کے کسی بھی گروہ کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ اس حدیث کی بنیاد پر اپنے تئیں فرقہ ناجیہ یا کامیات گروہ ہونے کا دعویٰ کرے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنے مخالفین جو کہ مسلمان ہیں ،ان کو دائرہ اسلام سے باہر کر کے دائرہ کفر میں داخل کر دیں، جو کسی طرح درست نہیں۔ پس سب مسلمان جو اسلامی عقیدہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے قطعیات وبینات پر یقین رکھتے ہیں، ان شاءاللہ فرقہ ناجیہ (نجات یافتہ گروہ) میں سے ہیں۔

2۔ فرقے جو اسلام سے خارج ہو کر کافر بن چکے اور جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہونے والے جہنمی فرقے کہلانے کے مستحق ٹھہرے، وہ فرقے ہیں جو دین کے مخالف ہوئے اور مسلمانوں کے عقیدے سے نکلے، اسلام کے قطعیات وبینات پر تجاوز کیا، اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک بنایا، یا محمد ﷺ کے بعد کسی غیر کو نبی مانا یا سنت رسول ﷺ کا انکار کیا وغیرہ۔ جیسے دروز، نصیری، بہائی، قادیانی وغیرہ، سب کافر فرقے ہیں اور اسلام سے خارج ہیں۔ یہود میں سے ان کی مثال وہ لوگ ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے دین سے نکلے تھے وہ قوم تھی جس نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا، عیسیٰ علیہ

السلام کے پیرو کاروں میں سے وہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔ یہ دو فرقے تھے جو اپنے عقیدے میں ان دو نبیوں کے عقیدے اور دین سے باہر ہوئے، جس کی وجہ سے وہ کفار میں سے ہو گئے۔

اُمید ہے کہ مذکورہ بالا حدیث کا مطلب اس شرح وبیان کے بعد واضح ہو گیا ہو گا۔ واللہ اعلم و احکم۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

16 جمادی الثانی 1442ھ

29 جنوری 2021ء

فہرست

سوال وجواب: کروناوائرس کے خلاف ویکسین لگوانا

(عربی سے ترجمہ)

ام بلال کی جانب

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ہمارے امیر، اللہ آپ پر رحمت نازل کرے، آپ کو نصرت عطا کرے اور فتح مبین اور نبوت کے نقش قدم پر خلافت نصیب کرے جس سے مومنوں کے دلوں کو اطمینان حاصل ہو۔

نئی ویکسین جس کو کئی ممالک نے کرونا سے بچنے کے لیے اپنی اقوام کو لگانا شروع کر دیا ہے، میرا سوال اس کے حوالے سے ہے۔ اس ویکسین کے خطرات کے حوالے سے سوشل میڈیا میں پھیلنے والی بہت ساری افواہوں کی وجہ سے اس کے متعلق بہت زیادہ خوف پایا جاتا ہے، کہا جا رہا ہے کہ یہ سرمایہ داروں کی جانب سے اقوام کے خلاف عالمی سازش ہے۔ ہاں شفاء تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہر موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہم بطور داعی ہونے کے اس ویکسین کی حقیقت کے بارے میں سوال کر رہے ہیں کہ اس وباء کے دوران اس ویکسین کو لگانا شرعاً واجب ہے یا نہیں؟

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ ہم نے علاج کے حوالے سے پہلے بھی سوالات کے جوابات دیے ہیں جن میں ہم نے کہا:

- دوائی میں اگر کوئی ضرر ہو تو وہ اس حدیث **«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ»**، یعنی **"نہ نقصان قبول کرنا ہے نہ پہنچانا ہے"** کے مطابق اس کا استعمال حرام ہے۔
- لیکن اگر دوائی میں کوئی ضرر نہ ہو مگر اس میں حرام یا ناپاک مواد شامل ہو تو اس کو استعمال کرنا مکروہ ہے، یعنی حرام نہیں، بلکہ اس کا استعمال اگر مریض کو مباح دوائی میسر نہ ہو تو اس کا استعمال جائز مگر مکروہ ہے۔

- اگر دوائی میں ضرر نہ ہو اور اس میں حرام یا ناپاک مواد بھی شامل نہ ہو تو اس کا استعمال مندوب ہے۔

میں ان جوابات میں سے جو آپ کے سوال سے متعلق ہے وہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

[**اول:** حرام اور ناپاک چیز سے علاج کرنے کے حوالے سے 26 جنوری 2011 کے سوال کے جواب سے جس میں یہ آیا:

(۔۔3-دوائی تحریم سے مستثنی ہے، حرام اور ناپاک چیز سے علاج حرام نہیں۔

- حرام چیز سے علاج کے حرام نہ ہونے کی دلیل مسلم کی یہ حدیث ہے جو انسؓ سے روایت ہے:

«رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوْ رُخِّصَ لِلزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ فِي لُبْسِ الْحَرِيرِ لِحِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا»

"رسول اللہ ﷺ نے خارش کی وجہ سے زبیر بن العوامؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ کو ریشم پہننے کی اجازت دی"

اگرچہ مردوں کے لیے ریشم پہننا حرام ہے مگر علاج کے لیے اسے جائز کیا گیا۔

- جہاں تک ناپاک شے سے علاج کے حرام نہ ہونے کی دلیل ہے بخاری میں انسؓ سے روایت ہے:

«أَنَّ نَاساً اجْتَوَوْا فِي الْمَدِينَةِ فَأَمَرَهُمْ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَلْحَقُوا بِرَاعِيهِ يَعْنِي الْإِبِلَ فَيَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَلَحِقُوا بِرَاعِيهِ فَشَرِبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا۔۔۔»

"کچھ لوگ مدینہ میں بیمار ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اونٹوں کے چرواہے سے ملیں اور اونٹوں کا دودھ اور ان کا پیشاب پئیں، وہ چرواہے سے جا ملے اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا۔۔۔"

لفظ **اجْتَوَوْا** کا مطلب ہے کہ مدینہ کے کھانے ان کو راس نہ آئے، لہٰذا وہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پیشاب سے علاج کی اجازت دی جو ناپاک ہے۔۔۔)اقتباس ختم ہوا۔

دوئم: 19 ستمبر 2013 کے سوال کے جواب میں آیا:

(دوائی میں الکوحل کا استعمال یا کسی ایسی دوائی کا استعمال میں جس میں الکوحل ملا ہو، جائز کے حکم میں آتا ہے اگرچہ یہ مکروہ ہے۔اس کی دلیل یہ ہے:

ابن ماجہ نے طارق بن سوید الحضرمی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

«قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ بِأَرْضِنَا أَعْنَاباً نَعْتَصِرُهَا فَنَشْرَبُ مِنْهَا قَالَ لَا فَرَاجَعْتُهُ قُلْتُ إِنَّا نَسْتَشْفِي بِهِ لِلْمَرِيضِ قَالَ إِنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِشِفَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ»

"میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہماری زمین میں انگور ہیں ہم اس کا رس نچوڑتے ہیں جس میں سے پیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے دوبارہ کہا: ہم اس سے مریض کا علاج کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شفا نہیں بیماری ہے"۔

اس میں حرام یا ناپاک "شراب" کو دوائی کے طور پر استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے ناپاک پیشاب کو دوائی کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی۔ بخاری نے انسؓ سے روایت کی ہے:

«أَنَّ نَاساً مِنْ عُرَيْنَةَ اجْتَوَوْا الْمَدِينَةَ فَرَخَّصَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَأْتُوا إِبِلَ الصَّدَقَةِ فَيَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا۔۔۔»

"عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ (کی آب وہوا یا خوراک کی وجہ سے) بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دی کہ وہ صدقہ کے اونٹوں کے پاس جائیں اور ان کا دودھ اور پیشاب پی لیں۔۔۔"

یعنی مدینہ کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اونٹ کے ناپاک پیشاب سے علاج کرنے کی اجازت دی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حرام سے علاج کرنے کی بھی اجازت دی جیسے ریشم پہننے کی۔ ترمذی اور احمد نے انس کے حوالے روایت کی ہے اور الفاظ ترمذی کے ہیں:

«أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ شَكَيَا الْقَمْلَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ لَهُمَا، فَرَخَّصَ لَهُمَا فِي قُمُصِ الْحَرِيرِ. قَالَ: وَرَأَيْتُهُ عَلَيْهِمَا»

"عبدالرحمن بن عوفؓ اور زبیر بن عوامؓ نے ایک غزوۃ کے دوران رسول اللہ ﷺ سے خارش کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان کو ریشم پہننے کی اجازت دی۔ راوی کہتا ہے: میں نے ان کو ریشمی کپڑوں میں دیکھا"

یہ دونوں احادیث اس بات کا اشارہ دیتی ہیں کہ ابن ماجہ کی حدیث میں موجود نہی کا قرینہ جازم نہیں یعنی حرام اور نجس سے علاج حرام نہیں مکروہ ہے)۔

سوئم: 18 نومبر 2013 میں ویکسین اور اس کے حکم کے حوالے سے سوال کے جواب میں آیا ہے:

(ویکسین لگوانا دوائی ہے اور دوائی استعمال کرنا مندوب ہے، فرض نہیں اس کی دلیل یہ ہے:

1۔ بخاری نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً » "اللہ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری جس کیلئے شفاء نہ اتاری ہو"

مسلم نے جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ»

"ہر بیماری کی ایک دوائی ہے، جب وہ دوائی دی جائے جو بیماری کی ہو تو اللہ عزوجل کے حکم سے اسے ٹھیک کر دیتی ہے"

احمد نے اپنے مسند میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے:

«مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً، إِلَّا قَدْ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ»

"اللہ نے جو بھی بیماری اتاری ہے اس کے لیے دوائی بھی اتار دی ہے، اسے جاننے والے اسے جانتے ہیں اور اسے نہ جاننے والے اسے نہیں جانتے"

ان احادیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر بیماری کی ایک دوائی ہے جو اس میں شفا بخش ہے، جو اس بات پر حوصلہ افزائی کرتی ہے کہ علاج کرنا چاہیے اسی میں شفاء ہے مگر یہ راہنمائی ہے واجب نہیں۔

2۔ احمد نے انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ حَيْثُ خَلَقَ الدَّاءَ، خَلَقَ الدَّوَاءَ، فَتَدَاوَوْا»

"اللہ نے جہاں بیماری پیدا کی اس کی دوائی بھی پیدا کی ہے، اس لیے علاج کرو"

ابو داؤد نے اسامہ بن شریک سے روایت کی ہے جو کہتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوسِهِمُ الطَّيْرُ، فَسَلَّمْتُ ثُمَّ قَعَدْتُ، فَجَاءَ الْأَعْرَابُ مِنْ هَا هُنَا وَهَا هُنَا، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنَتَدَاوَى؟ فَقَالَ: «تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً، غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ الْهَرَمُ» أي إلا الموت

"میں نبی ﷺ اور صحابہؓ کے پاس آیا، وہ ایسے بیٹھے ہوئے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، میں سلام کر کے بیٹھ گیا، پھر دیہاتی ادھر ادھر سے آگئے اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم علاج کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علاج کیا کرو کیونکہ اللہ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کی دوائی پیدا نہ کی ہو سوائے ایک بیماری کے، یعنی موت"

پہلی حدیث میں علاج کا حکم ہے اور اس حدیث میں دیہاتیوں کو علاج کرنے کا جواب دیا، جس میں بندوں کو خطاب ہے کہ علاج کرو، کیونکہ اللہ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کی شفاء پیدا نہ کی ہو۔ دونوں احادیث میں خطاب امر کے صیغے سے ہے، امر سے مطلق طلب کا علم ہوتا ہے، واجب ہونے کا نہیں۔ واجب ہونے کا علم تب ہوتا ہے جب امر جازم ہو اور جزم کے لیے قرینہ کی ضرورت ہے، اور دونوں احادیث میں وجوب پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ نہیں، اس کے علاوہ علاج نہ کرنے کے جائز ہونے کے بارے میں بھی احادیث ہیں، جو ان دونوں احادیث سے وجوب کے ثابت ہونے کی نفی کرتی ہیں۔ مسلم نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفاً بِغَيْرِ حِسَابٍ»، قَالُوا: وَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «هُمُ الَّذِينَ لَا يَكْتَوُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ»

"میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ کہا گیا: وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ ﷺ؟ فرمایا: وہ لوگ جو (آگ سے) داغنے اور رقیہ (دم کرنا) نہیں کرتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں"

داغنا اور رقیہ (دم کرنا) علاج ہی کی ایک قسم ہے۔ بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

...هَذِهِ المَرْأَةُ السَّوْدَاءُ، أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنِّي أُصْرَعُ، وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللَّهَ لِي، قَالَ: «إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكِ» فَقَالَتْ: أَصْبِرُ، فَقَالَتْ: إِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ لاَ أَتَكَشَّفَ، «فَدَعَا لَهَا...»

"...یہ سیاہ عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا: مجھے دورے پڑتے ہیں اور میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو صبر کرو تمہارے لیے جنت ہے، اور اگر چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں گا کہ اللہ تمہیں تندرست کرے، اس نے کہا: میں صبر کروں گی، آپ اللہ سے دعا کریں کہ میں بے پردہ نہ ہو جاؤں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی..."

یہ دونوں احادیث علاج ترک کرنے کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

یہ سب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امر، "فتداووا"، "تداووا"، یعنی "پس علاج کرو"، "علاج کرو" کے الفاظ وجوب کے لیے نہیں، لہذا یہاں پر امر یا تو اباحت کیلئے ہے یا مندوب کیلئے ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی جانب سے علاج پر زور دینے کی وجہ سے علاج مندوب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ویکسین لگانا مندوب ہے کیونکہ ویکسین لگانا علاج ہے اور علاج مندوب ہے۔ ہاں اگر کسی خاص ویکسین کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ نقصان دہ ہے یعنی اس کا مواد خراب یا کسی بھی وجہ سے نقصان دہ ہے، تب ایسی ویکسین لگانا حرام ہوگا، یہ اس قاعدے کے مطابق ہے جو اس حدیث میں ہے جس کو احمد نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ» "نہ نقصان دینا ہے نہ قبول کرنا ہے"

علاوہ ازیں، ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ تاہم ریاستِ خلافت میں متعدی امراض سے بچاؤ کی ویکسین لگائی جائیں گی اور دوائی کسی شک و شبہ کے بغیر صاف شفاف ہو گی، اور شفاء دینے والا اللہ ہی ہے:

﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ "اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے"۔(الشوریٰ-80)

یہ بات شرعی طور پر معروف ہے کہ رعایا کو صحت اور علاج معالجے کی سہولیات فراہم کرنا خلیفہ پر فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» "امام نگہبان ہے اور وہ اپنے رعایا کے بارے میں جوابدہ ہے"

اس کو بخاری نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ یہ عمومی نص اس بارے میں ہے کہ صحت اور علاج معالجے کی سہولیات فراہم کرنا لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے کے حوالے سے ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔

صحت اور علاج کے حوالے سے خصوصی دلائل بھی موجود ہیں۔ مسلم نے جابرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

«بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ طَبِيباً فَقَطَعَ مِنْهُ عِرْقاً ثُمَّ كَوَاهُ عَلَيْهِ»

"رسول اللہ ﷺ نے اُبی بن کعب کے پاس ڈاکٹر بھیجا جس نے اس کے رگ کو کاٹ کر پھر اس کو بند کر دیا"

الحاکم نے مستدرک میں زید بن اسلم سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ:

«مَرِضْتُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بنَ الْخَطَّابِ مَرَضاً شَدِيداً فَدَعَا لِي عُمَرُ طَبِيباً فَحَمَانِي حَتَّى كُنْتُ أَمُصُّ النَّوَاةَ مِنْ شِدَّةِ الْحِمْيَةِ»

"عمر بن خطابؓ کے زمانے میں میں شدید بیمار ہوا عمرؓ نے میرے لیے ڈاکٹر بلایا جس نے مجھے بھوکا رکھا اور شدید بھوک کی وجہ سے میں کھجور کی گٹھلی چوسنے لگا"۔

رسول اللہ ﷺ نے حکمران کی حیثیت سے اُبی بن کعب کے لیے ڈاکٹر کا بندوبست کیا اور دوسرے خلیفہ راشد عمر بن خطابؓ نے اسلم کے لیے ڈاکٹر بلایا۔ یہ دونوں اس بات کی دلیل ہیں کہ صحت اور علاج معالجے کی سہولیات رعایا کی دیکھ بھال کی بنیادی ضروریات میں سے ہے جن کی ضرورتمندوں کیلئے مفت فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے]۔ جوابات سے منقول اقتباسات یہاں ختم ہوئے۔

خلاصہ:

1۔ ویکسین لگانا فرض نہیں بلکہ مندوب ہے

2۔ اگر اس میں نقصان دہ اجزاء ہوں تو اس کو لگانا حرام ہے

3۔ اگر اس میں نقصان نہ ہو مگر ناپاک یا حرام مواد ہو تو یہ مکروہ ہے حرام نہیں۔

4۔ مسلمان کو پہلے مباح دوائی تلاش کرنی چاہیے اور اگر نہ ملے تب مکروہ دوائی استعمال کرنا جائز ہے۔

5۔ لہذا آپ کے سوال کا جواب مندرجہ بالا کی روشنی میں یہ ہے:

ناپاک اور حرام مواد پر مشتمل ویکسین لگانا جائز مگر مکروہ ہے کیونکہ ویکسین دوائی میں شمار ہوتی ہے اور ناپاک اور حرام اجزاء کو دوائی کے طور پر استعمال کرنا جائز مگر مکروہ ہے جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی۔۔۔تاہم اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ نقصان دہ ہے تو اس کا استعمال جائز نہیں۔

اب تک میں اس دوائی کے نقصان دہ ہونے پر کسی قطعی رائے تک نہیں پہنچا ہوں، اس لیے میں اس معاملے کو شباب اور شبات کے لیے چھوڑتا ہوں، وہ مذکورہ کی روشنی میں اپنی صحت کے حوالے سے اطمینان کر لیں، ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ہر مرض سے بچائے، وہی دعا سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا بھائی،

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

9 جمادی الآخرۃ 1442 ہجری

بمطابق 22 جنوری 2021ء

فہرست

سوال وجواب: سنتِ نبوی ﷺ بھی بالکل قرآن کریم کی طرح شرعی دلیل ہے

(عربی سے ترجمہ)

احمد القیروان کے سوال کا جواب

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ شیخ عطاء۔ میرا ایک بہت ہی اہم سوال ہے، کیا رجم (سنگسار) کا حکم قرآن یا متواتر صحیح احادیث میں آیا ہے؟ میں نے اس حوالے سے تحقیق کی مگر یہ نہیں سمجھ سکا کہ یہ حکم شریعت میں کیوں ہے؟ مثلاً جس طرح **(السارق والسارقة فاقطعو ايديهما)"چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹ دو"** یا **(الزاني والزانية فاجلدوا) زانی اور زانیہ کو اتنے اتنے کوڑے مارو"**۔ وغیرہ ذکر ہیں، اس طرح رجم کا حکم قرآن میں نہیں۔ کیا ہم شریعت اور اس کے احکامات کی قرآن میں سے پیروی کرتے ہیں یا احادیث میں سے؟ آپ مجھ سے یہ کہیں گے کہ مثال کے طور پر نماز کی حرکات یا وضو کی ترتیب قرآن میں مذکور نہیں، جس کا مطلب ہے کہ ہر چیز قرآن میں ہی مذکور نہیں ہوتی ہے، وغیرہ۔ مگر یہ حکم ریاضی کے قاعدے ایک جمع ایک مساوی دو کی طرح حتمی ہے۔ یعنی یہ بنیادی اصول ہے کہ جو چیز قرآن میں ہے ہم اس کے مطابق فیصلے کریں گے اور جو قرآن میں نہیں اس کو اساسی قانون کی حیثیت سے نہیں لیں گے۔ ہاں تفصیلات میں بحث اور اجتہاد کر سکتے ہیں اور حدیث کو تفصیلات کیلئے لے سکتے ہیں مگر یہ ممکن نہیں کہ حدیث سے اساسی حکم لیا جائے اور اصل کو چھوڑ دیا جائے، شکریہ۔

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اول: سوال میں آپ کا یہ کہنا کہ [یہ بنیادی اصول کہ جو چیز قرآن میں ہے ہم اس کے مطابق فیصلے کریں گے اور جو قرآن میں نہیں اس کو نہیں لیں گے] یہ بات اسلام اور مسلمانوں کے لیے حیران کن ہے۔ مسلمان اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ سنت نبوی بالکل قرآن ہی کی طرح شرعی دلیل ہے اور مسلمان اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ سنت نبوی میں جو کچھ آیا ہے یہ اللہ کی جانب سے وحی ہے اور اس کی پیروی قرآن کی پیروی کی طرح ہی واجب ہے جس میں کوئی

تفریق نہیں۔۔۔ صحابہ کرامؓ کے دور سے آج تک مسلمانوں کا یہی موقف ہے۔۔۔ ہم نے اس کی وضاحت اپنی کتاب "اسلامی شخصیت" میں: "سنت قرآن کی طرح شرعی دلیل ہے" اور "سنت سے استدلال" کی بحث میں کی ہے، اسی طرح کتاب، اسلامی شخصیت جزو 3 میں "دوسری دلیل: سنت" کی بحث میں کی ہے، اس کی طرف رجوع کریں، وہ کافی ہے ان شاءاللہ۔ میں اسلامی شخصیت جزو 1، میں "سنت قرآن کی طرح ہی شرعی دلیل ہے" کی بحث سے یہ آپ کے لیے نقل کرتا ہوں:

(سنت قرآن کی طرح شرعی دلیل ہے، کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے وحی ہے۔ سنت کو ترک کر کے قرآن تک محدود رہنا کھلم کھلا کفر ہے، یہ اسلام سے خارج لوگوں کی رائے ہے۔ جہاں تک سنت کے اللہ کی طرف سے وحی ہونے کی بات ہے یہ قرآن میں صریح طور پر ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ﴾ **"کہہ دیجئے کہ میں صرف وحی کے ذریعے تمہیں ڈراتا ہوں"** (انبیاء: 45)۔ اور اللہ تعالی نے فرمایا ہے ﴿إِن يُوحَى إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ **"میری طرف تو صرف وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں"** (ص: 70)۔ اور اللہ نے فرمایا: ﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ﴾ **"میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف کی جاتی ہے"** (الاحقاف: 9)۔ اور اللہ فرماتا ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يِوحَى إِلَيَّ مِن رَّبِّي﴾ **"کہہ دیجئے میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف کی جاتی ہے"** (الاعراف: 203)۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى * إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ **"یہ خواہش سے نہیں بولتے یہ جو بھی کہتے ہیں وہ صرف وحی ہے"** (النجم: 4-3)۔

یہ آیات اپنے معانی میں اور اپنے ثبوت میں قطعی ہیں کہ رسول ﷺ جو کہتے ہیں، جس کے ذریعے ڈراتے ہیں، جو بولتے ہیں، وہ صرف وحی ہے، یہ وحی سے ہی صادر ہے جس میں کسی تاویل کا بھی احتمال نہیں۔ یوں سنت قرآن ہی کی طرح وحی ہے۔

رہی بات سنت کے قرآن کی طرح واجب الاتباع ہونے کی تو یہ بھی قرآن میں صریح طور پر ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ "اور جو کچھ رسول تمہیں دیں لے لو، جس چیز سے بھی منع کریں رُک جاؤ" (الحشر: 7)۔ اور فرمایا: ﴿مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی" (النساء: 80)۔ اور فرمایا: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ "رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو محتاط ہونا چاہیے کہ کہیں وہ فتنے کا شکار ہوجائیں یا ان کو دردناک عذاب گھیر لے" (النور: 63)۔ اور فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ "کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کوئی فیصلہ کریں تو ان کو اپنے امور میں کوئی اختیار ہو" (الاحزاب: 36)۔ اور فرمایا: ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً﴾ "تیرے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے اختلافات میں آپ ﷺ کو ثالث نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلوں کے بارے میں اپنے دل میں ناگواری نہ رکھیں اور سر تسلیم خم نہ کریں" (النساء: 65)۔ اور فرمایا: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی" (النساء: 59)۔ اور فرمایا: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ "کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو" (آلِ عمران: 31)۔

یہ تمام آیات رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے واجب ہونے کے حوالے سے واضح اور صریح ہیں یعنی جو بھی آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اور آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔یوں قرآن اور حدیث میں جو کچھ آیا ہے اس کے واجب الاتباع ہونے کے لحاظ سے یہ دونوں شرعی دلیل ہیں، اس موضوع میں حدیث قرآن ہی کی طرح ہے۔اسی لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جس سے ہم لیں گے، اس سے سنت کو ترک کرنے کا مفہوم نکلتا

ہے۔ بلکہ سنت کو کتاب سے جوڑنا اور حدیث کو بھی قرآن کی طرح شرعی دلیل کے طور پر لینا لازمی ہے، کسی مسلمان کے منہ سے ایسی بات نہیں نکلنی چاہیے جس سے یہ لگے کہ وہ حدیث کو چھوڑ کر قرآن پر اکتفا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حوالے سے متنبہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«يُوشِكُ أَنْ يَقْعُدَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ عَلَى أَرِيكَتِهِ يُحَدِّثُ بِحَدِيثِي، فَيَقُولُ: بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ، فَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَلَالًا اسْتَحْلَلْنَاهُ، وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَرَامًا حَرَّمْنَاهُ، وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ كَمَا حَرَّمَ اللَّهُ»** **"عنقریب تم میں سے ایک شخص اپنے صوفے پر بیٹھ کر میری حدیث کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہے گا: میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، اس میں جو ہمیں حلال نظر آئے ہم اس کو حلال سمجھیں گے اس میں جو حرام ہو اس کو حرام کہیں گے، یقیناً اللہ کے رسول نے جس چیز کو حرام کیا وہ اللہ کی جانب سے حرام کیے ہوئے کی طرح ہے"**۔ اس کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ جابرؓ سے مرفوعاً ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: **«مَنْ بَلَغَهُ عَنِّي حَدِيثٌ فَكَذَّبَ بِهِ، فَقَدْ كَذَّبَ ثَلَاثَةً: اللَّهَ، وَرَسُولَهُ، وَالَّذِي حَدَّثَ بِهِ»** **"جس کے پاس میری حدیث پہنچے اور وہ اس کو جھٹلائے اس نے تین چیزوں کو جھٹلایا، اللہ کو، اس کے رسول ﷺ کو اور اس کو جس نے اس حدیث کو بیان کیا"** (مجمع الزوائد میں جابر سے روایت)۔

یہی وجہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ ہم قرآن سے حدیث کو پرکھیں گے، اگر حدیث قرآن کے مطابق نہ ہو تو اس کو مسترد کریں گے، کیونکہ اس کے نتیجے میں اس حدیث کو بھی مسترد کیا جائے گا جو قرآن کے لیے تخصیص یا مقید یا اس کے مجمل کے لیے مفصل ہو۔ کیونکہ ایسا لگے گا کہ حدیث قرآن کے مطابق نہیں یا قرآن میں نہیں، جیسے کہ وہ احادیث ہیں جو فروع کو اصول سے ملاتی ہیں۔ حدیث میں ایسے بہت سے احکام ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں خاص طور پر بہت سارے تفصیلی احکامات جو قرآن میں نہیں بلکہ صرف حدیث میں آئے ہیں۔

لہذا حدیث کو قرآن پر پرکھ کر یہ نہیں کہا جائے گا کہ جو قرآن میں بھی ہے اس کو قبول کیا جائے گا اور جو قرآن میں نہیں اس کو مسترد کیا جائے گا۔ بلکہ اس حوالے سے حکم یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن کے قطعی معنی سے

متناقض ہو تب اس کو درایتاً یعنی اس کے متن (عبارت) کے اعتبار سے نہیں مانا جائے گا کیونکہ اس کا معنی قرآن سے متصادم ہے۔ اس کی مثال فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے جب انھوں نے کہ: **« طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثاً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ يَجْعَلْ لِي سُكْنَى، وَلَا نَفَقَةً» "مجھے میرے شوہر نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تین طلاقیں دیں، میں نبی ﷺ کے پاس گئی لیکن آپ ﷺ نے میرے لیے کوئی رہائش اور نفقہ لازم نہیں کیا"**۔ یہ روایت مسترد ہے کیونکہ یہ قرآن کی قطعی نص کے خلاف ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: **﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ "ان کو اپنی استطاعت کے مطابق ایسے ہی رہائش دو جیسے تمہاری رہائش ہے"** (الطلاق: 6)۔ لہٰذا اس حدیث کو مسترد کیا گیا کیونکہ یہ قرآن کی قطعی نص اور قطعی معانی سے متضاد ہے۔ اگر حدیث قرآن سے متناقض نہ ہو بلکہ ایسے امور پر مشتمل ہو جو قرآن میں نہ ہوں یا جو قرآن میں ہوں لیکن اس میں اضافہ کرے تب قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی لیا جائے گا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہم قرآن پر اکتفا کریں گے کیونکہ اللہ نے دونوں کا حکم ایک ساتھ دیا ہے اور ان دونوں پر ایک ساتھ اعتقاد فرض ہے)۔ یہاں تک کتاب 'اسلامی شخصیت' جزو اول سے اقتباس ختم ہو گیا۔

مذکورہ بالا سے یہ واضح ہو گیا کہ حکم شرعی بغیر کسی فرق کے سنتِ مطہرہ سے بالکل ایسا ہی اخذ کیا جائے گا، جیسا کہ قرآن کریم سے اخذ کیا جاتا ہے، کسی حکم کو اخذ کرنے کے لیے اس کا قرآن ہی میں مذکور ہونا لازمی نہیں، بلکہ حکم شرعی کو اس وقت بھی اخذ کیا جا سکتا ہے جب صرف سنت نبوی ﷺ میں اس کا ذکر ہو۔۔۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کا موضوع سنت کے ذریعے قرآن کے عموم کی تخصیص کے باب سے ہے، شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا آیت کے عموم کی تخصیص ہے، جس کی رو سے زانی کو کوڑے مارنے کا حکم ہے جیسا کہ ذیل میں بیان ہوا ہے۔۔۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ زانی کو سنگسار کرنے کا حکم فقط سنت ہی دیتی ہے کیونکہ زانی کی سزا کا حکم قرآن میں بیان کیا گیا ہے، بالفاظِ دیگر اصلاً قرآن میں زانی کی سزا دینے کی بات کی گئی ہے، پھر سنت نے قرآن کی وضاحت کی اور عموم کی تخصیص کی، اس کو مستثنیٰ کرتے ہوئے بیان کیا کہ غیر شادی شدہ کی سزا کوڑے اور شادی شدہ کی سزا مر جانے تک سنگسار کرنا ہے۔۔۔ سنت کے

ذریعے قرآن کے عموم کی تخصیص شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کے موضوع تک محدود نہیں بلکہ بہت سے موضوعات اس میں موجود ہیں۔۔۔

دوسرا: اس سے پہلے ہم نے 12 محرم 1441 بمطابق 11 ستمبر 2019 کو شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کے موضوع پر سوال کا جواب دیا تھا، میں اس جواب میں سے آپ کے سوالات کے جوابات نقل کرتا ہوں:

(آپ نے شادی شدہ زانی کی سزا کے بارے میں سوال کیا ہے کہ کیا یہ فقہ اسلامی میں قطعی ہے؟ کیا یہ حدود میں سے ہے یا حدود میں سے نہیں بلکہ تعزیرات میں سے ہے جیسا کہ موجودہ دور کے بعض علماء کہتے ہیں؟

آپ کے سوال کا جواب مندرجہ ذیل ہے:

1۔ شادی شدہ زانی کو موت تک سنگسار کرنے کی سزا شرعی احکامات کے باب میں سے ہے، یہ عقائد کے باب میں سے نہیں۔ یہ بھی دیگر تمام شرعی احکامات کی طرح ہے جن میں یہ شرط نہیں کہ ان پر عمل کرنے کے لیے ان کی دلیل قطعی ہو، بلکہ ان میں غالب گمان کافی ہے جیسا کہ فقہ کے اصولوں میں معروف ہے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر عمل کرنے کے لیے اس سزا کی دلیل کے قطعی یا غیر قطعی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ اہم یہ ہے کہ شریعت میں اس سزا کی دلیل ثابت ہو، شریعت میں بہت سے صحیح دلائل موجود ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں کہ شادی شدہ زانی کی سزا موت تک سنگسار کرنا ہے جن میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، جیسا کہ ذیل میں مذکور ہیں۔

2۔ موجودہ دور کے بعض علماء کے بارے میں یہ ملاحظہ کیا جا رہا ہے کہ وہ شرعی احکامات کو ان کے دلائل سے اخذ کرنے میں درست طریقہ کار استعمال نہیں کرتے، کیونکہ وہ شرعی حکم کو تلاش کرتے وقت زمانے کے ساتھ چلنے اور ایسی رائے تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جو بین الاقوامی قوانین اور انسانی حقوق کے معاہدوں وغیرہ کے نام پر مغربی تہذیب کے ذریعے لوگوں پر مسلط کیے گئے اصولوں سے ہم آہنگ ہو۔۔۔ یہ بات درست نہیں، کیونکہ درکار صرف اللہ کا حکم ہے، کوئی اور حکم نہیں، نہ ہی ایسا حکم درکار ہے جو دنیا میں رائج قوانین، دستاویزات اور آراء کے موافق

ہو۔۔۔فرض تو یہ ہے کہ حکم شرعی کو اس کے دلائل سے مِن وعَن اَخذ کیا جائے اور اس کو نافذ العمل بنایا جائے، پھر دنیا بھر میں اس کو رائج کیا جائے۔ یہی حکم بنی نوع انسان کے حق میں بہتر ہے کیونکہ یہ انسان اور دنیا کے خالق کی طرف سے ہے جو کہ جہانوں کے احوال سے خوب باخبر ہے۔ ﴿**أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ**﴾ **"کیا جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا؟، وہ تو مہربان اور باخبر ہے"** (الملک:14)۔ ﴿**أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ**﴾ **"سنو تخلیق اور حکم اسی کا ہے، پاک ہے جہانوں کا پروردگار"** (الاعراف:54)۔

اسی لیے ان لوگوں کے اقوال کو کوئی اہمیت نہیں دی جانی چاہیے، جو اپنے استنباط میں زمانے کے ساتھ چلنے اور مغربی تہذیب کے موافق بات کرتے ہیں، چاہے یہ حالات کے دباؤ سے ایسا کرتے ہوں یا مغربی کفار کو خوش کرنے کے لیے۔۔۔

3۔یقیناً شادی شدہ کے حق میں زنا کی سزا یعنی موت تک سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑوں کی سزا ،اسلام میں حدود میں داخل ہے۔ ہم نے حد زنا کے احکام "نظام العقوبات" نامی کتاب میں مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں، مذکورہ کتاب سے 'حد زنا' کے باب میں آئے کچھ احکامات نقل کیے دیتا ہوں:

(بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی حد سو کوڑے ہیں، خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، یعنی ان میں کوئی فرق نہیں،اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿**الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ**﴾ **"زناکار مرد اور زناکار عورت، ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر ذرا رحم نہ آنا چاہیے"** (النور:2)۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب جو قطعی و یقینی ہے کو آحاد احادیث کی وجہ سے چھوڑنا جائز نہیں جس میں جھوٹ ممکن ہے، نیز یہ بات سنت کے ذریعے کتاب اللہ کو منسوخ کرنے کا باعث ہے، جو کہ ناجائز ہے۔

عمومی طور پر تمام اہل علم یعنی صحابہؓ، تابعین اور ان کے بعد تمام زمانوں کے بڑے علماء کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور شادی شدہ کو پتھروں سے مار کر سنگسار کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماعز کو رجم کیا تھا۔ نیز حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کی گئی ہے: **((أَنَّ رَجُلًا زَنَى بِامْرَأَةٍ فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَجُلِدَ الْحَدَّ، ثُمَّ أُخْبِرَ أَنَّهُ مُحْصَنٌ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ))** **"ایک آدمی نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا پھر اس کو حد زنا یعنی سو کوڑے مارے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ وہ شادی شدہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا اور اسے سنگسار کیا گیا"۔**

ان دلائل میں غور کرنے والا دیکھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول: **﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ﴾** **زنا کار مرد اور زنا کار عورت، دونوں کو سو کوڑے مارو"** (النور: 2)۔ اس آیت کریمہ میں زانی اور زانیہ کا لفظ عموم والے الفاظ میں سے ہیں، اس میں شادی شدہ اور غیر شادی دونوں شامل ہیں۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ: **((وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا))** **"اے اُنیس! اس عورت کے پاس جاؤ، اگر اس نے (زنا کا) اقرار کیا تو اسے سنگسار کر دو"** اور یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماعز کو اس وقت سنگسار کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے شادی شدہ ہونے کے بارے میں پوچھا، اور غامدیہ عورت کو بھی سنگسار کیا تھا، یہ تمام صحیح احادیث میں ذکر ہے، لہٰذا احادیث آیت میں تخصیص کرتی ہے۔

تو ان احادیث نے قرآن کے اس عام حکم کو غیر شادی شدہ کے ساتھ خاص کر دیا اور ان احادیث نے شادی شدہ کو اس آیت سے مستثنیٰ کر دیا، چنانچہ احادیث نے اس عام کی تخصیص کی ہے، اور احادیث نے قرآن (کی آیت) کو منسوخ نہیں کیا۔ قرآن کی سنت کے ساتھ تخصیص جائز ہے اور متعدد آیات میں وقوع پزیر ہوئی ہے، جن میں حکمِ عام ذکر ہوا ہے اور احادیث نے اس حکم کو خاص کر دیا ہے۔

اور جس شرعی حکم پر شرعی دلائل یعنی کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ کے لیے زنا کی سزا سو کوڑے ہیں، جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے، اور اس کے علاوہ اس کو ایک سال کیلئے علاقہ بدر کیا جائے گا جیسا کہ سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ البتہ علاقہ بدر کرنا جائز ہے، واجب نہیں، اور یہ امام کے سپرد ہے، وہ چاہے تو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کے لیے علاقہ بدر کر دے، اور چاہے تو صرف کوڑے مارے، نکالے نہیں۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ اس کو کوڑے مارے بغیر فقط علاقہ بدر کرنے پر اکتفا کرے، کیونکہ اس کی سزا کوڑے ہیں۔ جہاں تک شادی شدہ زانی کی سزا کی بات ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اُسے رجم کرنا ہے یہاں تک کہ وہ مر جائے، کیونکہ سنگسار کرنے کے بارے میں وارد احادیث کتاب اللہ کی تخصیص کرتی ہیں۔ شادی شدہ آدمی کی سزا میں کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے کو جمع کرنا جائز ہے، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ پہلے اسے کوڑے مارے جائیں پھر سنگسار کیا جائے اور صرف سنگسار کرنا بھی جائز ہے، یعنی کوڑے نہ مارے جائیں، لیکن یہ جائز نہیں کہ اسے صرف کوڑے مارے جائیں کیونکہ اس کی فرض سزا رجم یا سنگسار کرنا ہے۔

جہاں تک شادی شدہ کی سزا کی دلیل ہے تو اس کے بارے میں بہت زیادہ احادیث آئی ہیں: **((فعن أبي هريرة وزيد بن خالد أنهما قالا إن رجلاً من الأعراب أتى رسول الله ﷺ فقال: «يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْشُدُكَ اللَّهَ إِلَّا قَضَيْتَ لِي بِكِتَابِ اللَّهِ، وَقَالَ الْخَصْمُ الْآخَرُ وَهُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ: نَعَمْ، فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ، وَائْذَنْ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: قُلْ، قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفاً عَلَى هَذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، وَإِنِّي أُخْبِرْتُ أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَوَلِيدَةٍ، فَسَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا الرَّجْمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ، الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ، وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ - لِرَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ - إِلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا، قَالَ: فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَأَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرُجِمَتْ. والعسيف الأجير))** "ابو ہریرہؓ اور زید بن خالد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا او

رکہا: یارسول اللہ ﷺ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرے لیے کتاب اللہ کے ذریعے فیصلہ کیجیے، ایک اور شخص نے، جو اس کا فریق تھا، اور اس دیہاتی سے زیادہ سمجھ دار تھا، اُس نے کہا: ہاں، آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلہ کیجیے اور مجھے بات کرنے کی اجازت بھی دیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہو، وہ کہنے لگا: اس نے میرے بیٹے کو ملازمت پر رکھا ہوا تھا، میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا، مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے پر رجم ہے، تو میں نے بچوں سمیت سو بکریاں اس جرم کے بدلے اس کو دیدیں، پھر اہل علم سے پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے اور علاقے سے نکالے جانے کی سزا ہے، اور اس کی بیوی پر سنگسار کرنا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں ضرور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، بکریاں اپنے بچوں سمیت واپس کی جائیں، اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے ہیں اور ایک سال کے لیے علاقہ بدر کیا جانا۔ اور اے اُنیس! (قبیلہ بنو اسلم کا ایک آدمی) تم اِس آدمی کی بیوی کے پاس جاؤ اور اسے سنگسار کردو۔ حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ پھر انیس اس کے پاس چلے گئے اور اس عورت نے اقرار کرلیا، پس رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور وہ سنگسار کی گئی"۔ اور حدیث میں عسیف لفظ کے معنی مزدور اور بیگار کے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، کوڑے نہیں مارے۔ اسی طرح شعبی سے روایت ہے کہ ((أَنَّ عَلِيّاً رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ رَجَمَ الْمَرْأَةَ ضَرَبَهَا يَوْمَ الْخَمِيسِ، وَرَجَمَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَقَالَ: جَلَدْتُهَا بِكِتَابِ اللَّهِ، وَرَجَمْتُهَا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ)) "علیؓ نے جب عورت کو سنگسار کیا تھا تو اسے جمعرات کے دن کوڑے مارے اور جمعے کے دن سنگسار کر دیا۔ اور کہا: میں نے کتاب اللہ کی وجہ سے اس کو کوڑے مارے اور سنت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے اس کو سنگسار کر دیا"۔ عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلاً الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ)) "مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فیصلہ فرمادیا، غیر شادی شدہ غیر شادی شدہ سے زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کے لیے علاقہ بدر کیا جانا ہے، اور شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو سزا سو کوڑے اور سنگسار کرنا ہے"۔ تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ شادی

شدہ کی سزا کوڑے اور سنگساری کرنا ہے، حضرت علیؓ نے بھی شادی شدہ کو کوڑے مارے اور سنگسار بھی کیا۔ جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز بن مالک کو سنگسار کیا، جابرؓ نے کوڑے ذکر نہیں کیے، اور بخاری میں سلیمان بن بریدہ سے روایت کی گئی ہے کہ نبی ﷺ نے غامدیہ کو سنگسار کیا، کوڑوں کا ذکر نہیں کیا۔ مسلم نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جھینہ کی ایک عورت کے بارے میں حکم دیا، اسے اس کے کپڑوں میں باندھا گیا اور سنگسار کیا گیا لیکن کوڑوں کا ذکر نہیں ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ کو سنگسار تو کیا مگر کوڑے نہیں مارے، یہ فرمایا کہ: **((الثیب بالثیب جلد مائة والرجم))"شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو سزا سو کوڑے اور سنگساری ہے"**۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رجم واجب ہے، کوڑے مارنا جائز ہے، اور یہ خلیفہ کی صوابدید پر چھوڑا جائے گا۔

شادی شدہ کی حد میں کوڑے اور سنگساری دونوں کو جمع کیا جاتا ہے جو احادیث کو جمع کرنے کی بنیاد پر ہے۔ یہاں یہ نہ کہا جائے کہ سمرہ کی حدیث کہ آنحضرت ﷺ نے ماعز کو کوڑے نہیں مارے، بلکہ صرف سنگساری پر اکتفا کیا، لہٰذا یہ عبادہ بن صامتؓ کی حدیث کے لیے ناسخ ہے، جس میں کہا گیا، **((الثیب بالثیب جلد مائة والرجم))"شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو سزا سو کوڑے اور سنگساری ہے"**، تو یہ نہ کہا جائے کیونکہ کوئی ایسی بات ثابت نہیں کہ ماعز کی حدیث عبادہ کی حدیث کے بعد آئی ہے، اور جب مؤخر ہونا ثابت نہیں تو ماعز کی حدیث جس میں کوڑوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، کوڑے لگانے کو باطل نہیں کرتی اور یہ عبادہؓ کی حدیث کے لیے ناسخ نہیں، چنانچہ دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک کا دوسرے سے مقدم ہونا ثابت نہیں، تو ایک دوسرے کے لیے ناسخ یا ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہ ہوگی، تاہم اتنی بات ہے کہ جس حدیث میں سنگساری پر اضافہ کا ذکر آیا ہے تو وہ جائز سمجھا جائے گا، نہ کہ واجب، کیونکہ واجب امر سنگسار کرنا ہے، اس سے زائد میں امام کو اختیار دیا گیا ہے، جو کہ احادیث کو جمع کرنے کی بنیاد پر ہے)۔ کتاب "نظام العقوبات" سے اقتباس ختم ہوا۔

خلاصہ: یہ ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا مر جانے تک سنگساری ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں، جن کو صحیحین (مسلم و بخاری) اور دیگر کتب احادیث میں روایت کیا گیا ہے، یہ سزا حدود میں داخل ہے، تعزیر کے باب میں سے نہیں۔۔۔ یہاں تک سابقہ سوال کے جواب سے اقتباس ختم ہوا۔

آخر میں یہ کہوں گا کہ آپ نے تو اپنے سوال کا جواب خود دے ہی دیا ہے، آپ سوال میں کہتے ہیں کہ: (آپ مجھ سے یہ کہیں گے کہ مثال کے طور پر نماز کی حرکات یا وضو کی ترتیب قرآن میں مذکور نہیں، جس کا مطلب ہے کہ ہر چیز قرآن میں ہی مذکور نہیں ہوتی ہے، وغیرہ۔ مگر یہ حکم ریاضی کے قاعدے ایک جمع ایک مساوی دو کی طرح حتمی ہے۔ یعنی یہ بنیادی اصول ہے کہ جو چیز قرآن میں ہے ہم اس کے مطابق فیصلے کریں گے اور جو قرآن میں نہیں اس کو اساسی قانون کی حیثیت سے نہیں لیں گے۔ ہاں تفصیلات میں بحث اور اجتہاد کر سکتے ہیں اور حدیث کو تفصیلات کیلئے لے سکتے ہیں مگر یہ ممکن نہیں کہ اصل کو چھوڑ کر حدیث سے اساسی حکم لیا جائے۔) تو آپ کے نزدیک سنت سے نماز کی ادائیگی کی کیفیت لینا جائز ہے اور یہ کہتے ہو کہ یہ 1+1=2 کی طرح اٹل ہے!

جبکہ آپ کا یہ اصول شادی شدہ زانی کے بارے میں سنت سے استدلال پر بھی لاگو کیا جاسکتا ہے، جیسے نماز کے بارے میں ہے کہ ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ **"نماز قائم کرو"**، لیکن یہ مجمل آیا ہے، اس کا بیان وہ احادیث کرتی ہیں جو نماز کی کیفیت کو بیان کرتی ہیں، اگرچہ رکوع، سجدہ اور قرآت میں مجتہدین کا اختلاف ہوا ہے۔ تو نماز کے معاملے میں یہ احادیث مجمل کے لیے بیان واقع ہوئی ہیں۔ اسی طرح آیت ﴿وَالزَّانِيَةُ وَالزَّانِي﴾ **"زنا کرنے والا مرد اور عورت۔۔۔"**... عام ہے، کیونکہ زانی اور زانیہ کے الفاظ عام میں سے ہیں، اب جو احادیث شادی شدہ زانی سے متعلق ہیں، ان احادیث نے اس عموم میں تخصیص پیدا کر دی جس میں کوڑوں کا ذکر ہے۔ تخصیص ایسے کی کہ اس آیت کو غیر شادی شدہ زانی کے ساتھ خاص کر دیا، لہٰذا یہاں عام کی تخصیص کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ نے اصول پڑھے ہیں تو آپ کو وہاں ضرور یہ بات ملے گی کہ مجمل کا بیان اور عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید وغیرہ، سب کتاب وسنت کی اقسام میں سے ہے، جن سے متعلق لازم ہے کہ صرف شرعی طریقے سے ہی استدلال کیا جائے۔

اس بنا پر نماز والی مجمل آیت کے بیان اور زنا کے بارے میں وارد عام آیت کی تخصیص کے درمیان فرق کرنا نہ تو درست ہے اور نہ جائز ہے، البتہ فقہ کے اصولوں سے کامل آگاہی نہ ہو تو الگ بات ہے۔ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ درست ترین امر کی طرف آپ کی رہنمائی کرے اور یہ کہ آپ فقہ کے اصولوں کو سمجھنے میں اپنی قوت صرف کریں تاکہ آپ سوال کریں تو اسی کے میدان میں کریں، نہ کہ یہ کسی اور تناظر میں ہو۔ امید ہے کہ اس ساری تفصیل کے بعد آپ کے لیے معاملہ واضح ہو چکا ہو گا۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

2 جمادی الثانی 1442ھ

بمطابق 15 جنوری 2021ء

فہرست

پریس ریلیز: پاک فوج کی قوت اور طاقت کا مظاہرہ ہر مسلمان کے لیے باعث فخر ہے! کشمیر کے مسلمان اس فوجی قوت اور طاقت کے حرکت میں آنے کے منتظر ہیں تاکہ ان کو ہندو ریاست کے قبضے سے آزادی دلوائی جائے

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

25 مارچ 2021 کو منعقد ہونے والی بری، فضائی اور بحری افواج کی سالانہ پریڈ میں پاکستان کی افواج کے جوش و ولولے نے پاکستان کے مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ ان کی افواج آج بھی پڑوس میں موجود ہندو افواج کا مقابلہ کرنے کی ہر دم صلاحیت رکھتی ہیں۔ جدید ترین طیاروں، ایٹمی بیلسٹک اور کروز میزائیلوں، ڈرونز، ٹینک، آرٹلری اور آرمڈ کور اور ان سب سے بڑھ کر تربیت یافتہ، جذبہ ایمانی سے لبریز افواج رکھنے کے باوجود پاکستان کے حکمران ان افواج کو کشمیر کی آزادی کے لیے حرکت میں لانے سے انکاری ہیں۔ کشمیر میں بھارت کی ہٹ دھرمی کو ڈیڑھ سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے جب بھارت نے آئینی ترامیم کے ذریعے کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو یک طرفہ طور پر ختم کرکے اسے بھارتی ریاست کا مستقل حصہ بنا لیا۔ اس صورتِحال کا تقاضا تو یہ تھا کہ 23 مارچ کو پاک فوج کے دستے سرینگر کا رخ کرتے اور کشمیر کی وادی جہاد کی تکبیرات سے گونج اٹھتی، لیکن ہماری سیاسی اور فوجی قیادت نے اسلام اور مسلمانوں سے غداری کا ثبوت دیتے ہوئے امریکی استعمار کے حکم پر کشمیر پر سودے بازی کرتے ہوئے بھارت کو امن کی پیشکش کر دی۔ ان کا یہ عمل نہ صرف کشمیر پر بھارت کے قبضے کو جواز فراہم کرتا ہے بلکہ آنے والے وقت میں مقبوضہ کشمیر کو ہندوؤں کے قبضے سے آزاد کروانے کیلئے کسی قسم کی پیش قدمی کی راہ میں رکاوٹ بھی کھڑی کر دیتا ہے۔ یقیناً کشمیر کے مسئلے کو دفن کرنے کا یہ منصوبہ اب بے نقاب ہو چکا ہے جسے پاکستان کے مسلمان مسترد کرتے ہیں اور اپنی بہادر افواج سے یہ امید لگائے ہوئے ہیں کہ وہ ان غدار حکمرانوں اور ان کے استعماری آقاؤں کے فیصلوں کو روندتے ہوئے اپنے زورِ بازو کے بل بوتے پر صرف اللہ سبحانہ وتعالی پر توکل کرتے ہوئے کشمیر کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کا جواب فوجی قوت کے زور پر اسے آزاد کروانے کی صورت میں دیں گے۔

اے افواجِ پاکستان! 23 مارچ کا دن اس یاد کا دن ہے کہ مسلمانوں نے انگریز کے خلاف جدوجہد میں ان گنت قربانیاں اس لیے دیں تھیں تاکہ مسلمان اسلام کے نظام کے مطابق زندگی گزار سکیں، تاکہ **"پاکستان کا مطلب کیا، لا إله إلا الله"** کے نعرے کو حقیقت میں بدلا جاسکے، تاکہ جہاد فی سبیل اللہ کو جاری کیا جاسکے اور اسلام کی سرزمین پر اسلام کو نافذ کیا جاسکے۔ ہم کیسے ہندو ریاست سے امن اور دوستی کی بات کر سکتے ہیں جبکہ ہمارے آباؤاجداد نے مشرک ہندوؤں کی اتھارٹی تلے رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ کیا توحید کی علمبردار بت شکن امت، اس خطے میں مشرک ہندوؤں کی اجارہ داری قبول کر سکتی ہے؟ ہر گز نہیں! آپ کی رگوں میں دوڑنے والا خون اس سپہ سالار محمد بن قاسم کا ہے جس نے آج سے تیرہ سو سال قبل اسی برِصغیر پاک و ہند پر اسلام کا نظام نافذ کیا تھا، تو آپ میں سے کون وہ خوش قسمت ہے جو آج دوبارہ اس برِصغیر پاک و ہند پر اسلام کے نظام کو نافذ کرنے کا باعث بن کر اس خون کے حق کو ادا کرنے میں پہل کرے گا؟ آپ میں سے کون ہے جو خلافت کے قیام کے لیے نصرۃ فراہم کرے گا تاکہ آپ کی قوت اور طاقت کو اسلام کے نفاذ اور مسلم علاقوں کی آزادی کے لیے استعمال کیا جائے؟ آگے بڑھیں اور اپنی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے حرکت میں آئیں۔

﴿وَٱلسَّـٰبِقُونَ ٱلسَّـٰبِقُونَ۔ أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلْمُقَرَّبُونَ﴾

"اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہی ہیں۔ وہ اللہ کے خاص مقرب ہیں"(الواقعہ: 11-10)

[فہرست]

نُصرة

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرمادیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)